COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

نیا مکتبہ اقرا

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

عنبر کا سر کٹ گیا

اے حمید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قیمت ۷/۵۰ روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

باراول ——— ۱۹۸۳ء
ناشر: نیا مکتبہ اقراء ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز۔ لاہور

پیارے دوستو!

آپ نے عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے سفر کی پُراسرار داستان کو پڑھتے ہوئے محسوس کیا ہو گا کہ ان کا سفر اب بے حد دلچسپ، مہماتی، زیادہ پُراسرار اور انوکھے واقعات سے بھرپور ہو گیا ہے اور اب تو ان کے تاریخی سفر میں لاہور کا ایک سٹوڈنٹ امجد بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی آپ دیکھیں گے کہ امجد کس عجیب و غریب اور حیرت انگیز مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ دوسری طرف اپنے پانچ ہزار سال کے سفر میں پہلی بار عنبر پر ایک ایسی آفت آن پڑتی ہے کہ اتنی لمبی زندگی میں اس پر ایسی آفت کبھی نہیں پڑی تھی۔ اس کا سر کٹ جاتا ہے۔ کیسے کٹتا ہے؟ کون کاٹتا ہے؟ یہ تو آپ جب اس قسط کو پڑھنا شروع کریں گے تو پہلے ہی باب میں آپ کو پتہ چل جائے گا۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ کیوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس قسط کو پڑھنے اور عنبر ناگ ماریا کے انوکھے حیرت انگیز سفر میں ان کے ساتھ ساتھ خود بھی سفر کرنے کو بے تاب ہیں۔

آپ کا دوست

اے حمید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ترتیب

- عنبر کا سر کٹ گیا
- دریا کنارے سر کٹا بھوت
- پتھر کے سانپ میں جان پڑ گئی
- اژدہے کا پُراسرار منکر
- عنبر ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں
- کنوئیں میں پھنکاروں کی آواز

عنبر کا سر کٹ گیا

عنبر سیاہ لبادہ پہنے، گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔

مگر سیاہ پوش گروہ کا آدمی سردار کا حکم لے کر اس سے پہلے دوسرے شہر میں پہنچ چکا تھا اور دیوی روشنک کے یاقوت کے جادو اور کشش کی وجہ سے اس چھوٹے سے شہر کے تمام مسلمانوں کو دیوی روشنک کا سیاہ پوش کاہن اپنے ساتھ لے کر دریا کے کنارے ایک پہاڑی پر کھڑا تھا اور دیوی روشنک کے نام کے آخری منتر پڑھ رہا تھا۔ دس سیاہ پوش پہاڑی کے نیچے پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر بجلی کی طرح گھوڑا دوڑاتے شہر میں آیا تو دیکھا کہ اس شہر کے بازار اور گلیاں بھی ویران اور سنسان ہیں۔ اگرچہ رات کی تاریکی چاروں طرف پھیلی تھی مگر چاند نکل آیا تھا جس کی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ دکانیں کھلی ہیں مگر کوئی دکاندار نہیں بیٹھا ہے۔ مکانوں کے دروازے کھلے ہیں مگر مکان خالی ہیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کوئی انسان وہاں پر نہیں تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس شہر کے مسلمانوں کو بھی ایک ساتھ ہلاک کیا جا رہا ہے۔ اس نے سیاہ چٹانوں کی طرف گھوڑے کو ڈال دیا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں بہت دور تک دیکھ سکتی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ چٹانوں کے درمیان ایک پہاڑی پر شہر کے سارے مسلمان بُت بنے کھڑے نیچے دریا کو دیکھ رہے تھے۔ جس کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں اور دیوی روشنک کا بڑا سردار کاہن ایک طرف کھڑا قربانی کے لیے منتر پڑھ رہا ہے۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتا اور چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو پھلانگتا پہاڑی کے نیچے اس جگہ آگیا جہاں دس سیاہ پوش پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر چونکہ خود سیاہ لباس میں تھا اور اس کا چہرہ سیاہ پوش گروہ کے لوگوں کی طرح سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اس لیے اس کو دیکھ کر کوئی حیران نہ ہوا پھر بھی اصول کے مطابق ایک پہرے دار سیاہ پوش نے پوچھا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر نے کہا:

"الو دودھ پیتا ہے۔"

یہ اس سیاہ پوش گروہ کا خفیہ کوڈ تھا۔ انہوں نے کہا:

"تم ہمارے ہی آدمی ہو۔ مگر تم کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں بڑے کاہن کے لیے سردار کا ایک خاص پیغام لایا ہوں۔"

پہرے دار نے راستہ چھوڑ دیا۔ عنبر گھوڑا لے کر پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ جب وہ اوپر مسلمانوں کے ہجوم کے پاس آیا جو دیوی روشنک کے یاقوت کے جادو کے اثر کی وجہ سے نیچے کودنے ہی والے تھے۔ جادو کا یاقوت ایک انگوٹھی میں لگا بڑے کاہن کی انگلی میں تھا۔ اس یاقوت میں سے نکلنے والی شعاؤں نے ان لوگوں پر جادو کر رکھا تھا۔ کاہن نے جب ایک سیاہ پوش کو گھوڑے پر سوار اپنی طرف آتے دیکھا تو منتر پڑھنا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھ کر غصے سے بولا:

"کون ہو تم اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

عنبر قریب جا کر گھوڑے سے اُتر گیا اور بولا:

"کاہن اعظم میں یاغول ہوں اور دیوی روشنک نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو یاقوت کے جادو سے رہا کر دیا جائے۔"

کاہن کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"تم کون ہوتے ہو عظیم دیوی روشنک کا پیغام لے کر آنے والے؟ دیوی نے اگر کچھ کہنا ہوتا تو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مجھے کہتی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے اور مجھے ان مسلمانوں کو دریا میں پھینک کر دیوی کا حکم پورا کرنے دو۔"

عنبر نے کہا:

"اگر یہ بات ہے تو پہلے تمہیں اس پہاڑی سے نیچے دریا میں گراؤں گا۔"

کاہن غصے سے کانپنے لگا۔ آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے ایسی بات کہتا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"کون ہو تم بدتمیز؟"

اور آگے بڑھ کر عنبر کے چہرے پر سے نقاب نوچ لیا۔ اسے ایک اجنبی کا چہرہ نظر آیا تو چلا کر پہرے داروں کو حکم دیا۔

"اس کی گردن اڑا دو۔ یہ مسلمانوں کا حمایتی ہے۔"

اس کے قریب ہی کھڑے چار سیاہ پوش بجلی کی طرح تلواریں لہراتے عنبر کی طرف بڑھے۔ انہوں نے عنبر پر تلواروں سے حملہ کر دیا۔ مگر عنبر نے ان کا حملہ بچانے کی بالکل کوشش نہ کی۔ چار تلواریں اس کی گردن اور سر پر پڑیں اور ٹوٹ کر گر پڑیں لیکن عنبر کی توجہ کاہن کی انگوٹھی کی طرف تھی جس میں جادو کا وہ یاقوت جڑا تھا جس کے جادو نے

مسلمانوں کو اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔ عنبر کے سر اور گردن پر لگ کر چاروں تلواروں کو ٹوٹتے کاہن نے بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں حیران ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھا کہ یہ بھی کوئی جادوگر ہے۔ فوراً منتر پڑھ کر پھونک ماری۔ مگر اتنے عرصے میں عنبر نے کاہن کے ہاتھ میں سے اس کی انگوٹھی چھین لی تھی۔ عنبر پر کاہن کے جادو کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عنبر نے انگوٹھی کے یاقوت کو پاؤں سے مسل کر کرچی کرچی کر کے اسے دریا میں پھینک دیا۔

یاقوت کا ٹوٹنا تھا کہ پہاڑی پر کھڑے اور دریا میں گرنے کے قریب تمام مسلمانوں پر سے اس کا جادو ختم ہو گیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے ایک دوسرے کو اور پھر نیچے دریا کو تکنے لگے کہ ہم یہاں کیسے آ گئے۔"

عنبر نے بلند آواز میں کہا:

"یہاں سے فوراً شہر میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ تم پر جو جادو کیا گیا تھا وہ ٹوٹ چکا ہے۔

اب تم آزاد ہو۔"

مسلمان خدا کا شکر بجا لاتے پہاڑی پر سے اتر کر شہر کی طرف بھاگنے لگے۔ کاہن پریشان ہو گیا۔ اسے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ کیوں کہ دیوی روشنک کی یہ سب سے بڑی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

توہین تھی اور اس نے کاہن کو زندہ نہیں چھوڑنا تھا۔ اس نے ایک ایسا منتر پڑھا جس سے آدمی کے سارے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔ وہ عنبر کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا تھا، لیکن اس جادو کا بھی عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کاہن سے کہا:

"اے کاہن! تیرا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ میں اس وقت مسلمانوں کی مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اس وقت مجھ پر میرے خدا کی رحمت کا سایہ ہے۔"

کاہن نے تمام سیاہ پوشوں کو آواز دی۔ ادھر اُدھر سے کتنے ہی سیاہ پوش نکل کر وہاں آ گئے، اور انہوں نے عنبر پر تلواریں برسانی شروع کر دیں۔ عنبر کو تو معمولی سا زخم بھی نہ آیا مگر ان کی تلواریں عنبر کے چٹان سے بھی زیادہ مضبوط جسم سے ٹکرا کر لوٹتی چلی گئیں۔ عنبر نے کاہن کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زمین سے تین فٹ اوپر اٹھا لیا اور کہا:

"تم جادوگر ہو اور میں اس وقت ایک سچے مسلمان کے روپ میں تمہارے سامنے ہوں اور سچے مسلمان پر دنیا کے کسی جادو کا اثر نہیں ہوتا۔ اب تم مرنے

کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ تم نے مجھ پر بڑے حملے کیے ہیں اور میں پہلا حملہ کر رہا تھا۔"

عنبر نے کاہن کو زور سے ہوا میں اچھالا۔ وہ ہوا میں پچاس فٹ تک گیند کی طرح اُچھلا اور پھر نیچے ٹھاٹھیں مارتے دریا کی طوفانی موجوں میں گر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔ دوسرے سیاہ پوش عنبر کی طرف بڑھے مگر جب عنبر نے دو سیاہ پوشوں کو اٹھا کر کاہن کے پیچھے پیچھے دریا میں پھینک دیا تو باقی ڈر کر اندھیری رات میں بھاگ گئے۔

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یاقوت کے ٹوٹ جانے سے اس کا جادو بھی ٹوٹ چکا تھا اور اب کوئی کاہن کوئی یاقوت وہاں کے مسلمانوں کو اپنے طلسم میں قید نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا اور پہاڑی سے نیچے اُترنے لگا۔ چاند مغرب کی طرف سیاہ چٹانوں کے پیچھے آ گیا تھا اور پہاڑی اور اس کے نیچے جنگل میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ عنبر گھوڑا دوڑاتے پہاڑی کے نیچے آ گیا۔ وہاں ہر طرف اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے دور شہر کی طرف نگاہ ڈالی۔ شہر میں روشنیاں ہو رہی تھیں اور مسلمانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ خوش تھے اور دوبارہ زندگی مل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جانے کے بعد اپنے گھروں میں واپس آ جانے پر خوشیاں منا رہے تھے۔ عنبر بھی بڑا خوش ہوا۔ اس نے اپنا ایک انسانی فرض ادا کر دیا تھا اور بے گناہ لوگوں کو دیوی روشنک کے ظالمانہ جادو سے نجات دلا دی تھی۔

اب اسے ناگ ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کا خیال آنے لگا تھا۔ وہ ان کے پاس جانا چاہتا تھا۔ مگر اپنی سرخ نگینے والی انگوٹھی کو رگڑتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کیوں کہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس میں کیا نظر آ جائے اور وہ اسی جگہ پہنچ جائے۔ وہ اپنے دل میں اس انگوٹھی کے سرخ نگینے کو کوسنے لگا کہ کم بخت ایسی انگوٹھی کیوں نہ ملی کہ وہ اس کو رگڑ کر جہاں چاہتا پہنچ جاتا۔ اب وہ انگوٹھی کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ جہاں چاہے اسے پہنچا دیتی تھی۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ گھوڑا شہر سے دور جنگل کے گھنے درختوں کے ساتھ ساتھ ایک ویران کچے راستے پر چلا جا رہا تھا۔ عنبر کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کی منزل کون سی ہے اور وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ تو ناگ ماریا اور اپنے پانچ ہزار سال کے واپسی کے سفر کی نئی خلائی ساتھی لڑکی کیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ خدا جانے اب ان لوگوں سے کہاں اور کس جگہ اور کس وقت ملاقات ہو۔

عنبر اپنے خیالوں میں گم جنگل کے کنارے کنارے چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ اچانک بجلی زور سے چمکی۔ عنبر کا گھوڑا ڈر کر زور سے ہنہنایا اور رک گیا۔ عنبر نے حیران ہو کر آسمان کی طرف دیکھا کہ آسمان پر بادل کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر یہ بجلی اتنی زور سے کہاں سے چمکی تھی؟ گھوڑا ڈرا ہوا تھا اور قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے اسے بڑی مشکل سے قابو میں کیا اور اسے قدم قدم چلاتا آگے بڑھا۔ اسے خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا اور اصل میں بجلی نہیں چمکی تھی۔ کیوں کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو اور بجلی چمکے۔ بجلی تو اس وقت چمکتی ہے جب آسمان پر بادلوں کی گھٹا چھائی ہوئی ہو۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ بجلی ایک بار پھر چمکی۔ اس دفعہ بجلی کے چمکنے کے بعد بادلوں کی زبردست گڑگڑاہٹ بھی سنائی دی۔ یہ گڑگڑاہٹ اتنی زبردست تھی کہ عنبر نے ایسی آواز پہلے کبھی نہیں سنی تھی اور پھر ایسی حالت میں کہ جب آسمان پر کہیں بھی بادل نہ ہوں۔ عنبر کے دل نے اسے کہہ دیا کہ کوئی بڑی ہی انوکھی اور پراسرار بات ہونے والی ہے۔ اس نے اندھیری رات میں آسمان کی طرف دیکھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آسمان پر چاند کہیں نہیں تھا۔ چاند چٹانوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا مغرب میں غروب ہو گیا تھا۔ تارے چمک رہے تھے اب وہ ایک بار پھر بادلوں کی گرج کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے اپنی آنکھیں آسمان پر لگا رکھی تھیں۔ ویسے ہی بجلی ایک بار پھر چمکی۔ سارا جنگل ایک سیکنڈ کے لیے روشن ہو گیا۔ اس کے بعد ایسی بھیانک اور دل ہلا دینے والی گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی کہ عنبر کے نیچے سے گھوڑا نکل گیا۔ وہ ڈر کر اتنی زور سے لرزا کہ عنبر کے نیچے سے نکل کر رات کی تاریکی میں بھاگتا ہوا غائب ہو گیا۔

عنبر زمین پر سے اٹھا اور غور سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی عجیب و غریب بات ہونے والی ہے۔ بادلوں کی بھیانک گڑگڑاہٹ کے بعد گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اس کے سامنے ایک ویران راستہ تھا جو جنگل کے ساتھ ساتھ رات کے خوفناک اندھیروں میں ڈوبے ہوئے پتھریلے ٹیلوں کے قریب سے ہو کر دریا کی طرف چلا گیا تھا۔ عنبر خاموشی سے اس راستے پر چلنے لگا۔ بجلی ایک بار پھر زور سے کڑکی۔ عنبر وہیں رک گیا۔ بجلی کی زبردست چمک کے بعد گہرا اندھیرا چھا گیا۔ مگر عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہلا۔ عنبر کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ ہونے

والا تھا اب وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اندھیرے میں اسے چند قدموں پر دریا بہتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس خیال سے کہ ہو سکتا ہے وہاں اسے کوئی کشتی مل جائے اور وہ دریا پار چلا جائے یا اگر کشتی نہ ہو تو وہ تیر کر نکل جائے۔

عنبر دریا کے کنارے پہنچا تو ایک چمک سی آسمان پر لہرا کر بجھ گئی۔ عنبر نے دیکھا کہ سامنے درختوں کے جھنڈ میں سے ایک عجیب و غریب شکل کی عورت اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کے سر پر انسانی کھوپڑیوں سے بنا ہوا تاج تھا۔ گردن میں زہریلے بچھوؤں کا ہار تھا اور لمبے سیاہ بال سانپوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ اس کی سبز آنکھوں میں سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ قدم اٹھائے بغیر اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عنبر خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس عورت کا ہیولا عنبر سے دس قدم پر آ کر رک گیا۔ عورت کی شکل کسی چڑیل سے ملتی تھی۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا تم اس جنگل کی چڑیل ہو؟"

عورت نے ایسی آواز میں جس میں سانپوں کی سسکار تھی کہا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"میں وہ عورت ہوں جسے تم ساری زندگی یاد رکھو گے۔ میرا نام دیوی روشنک ہے۔"

عنبر نے کہا:

"اچھا تو تم وہ ڈائن ہو جو مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے ہزاروں مسلمانوں کو تمہارے خونی چنگل سے بچا لیا۔"

دیوی روشنک نے اپنے نوکیلے دانت نکال کر کہا:

"میں تمہیں اسی گستاخی کی سزا دینے آئی ہوں۔ تم نے میری توہین کی ہے۔ میں تم سے ایسا بدلہ لوں گی کہ تم ساری زندگی یاد رکھو گے۔"

عنبر مسکرایا:

"تم مجھ سے کیا بدلہ لے سکتی ہو؟ زیادہ سے زیادہ تم مجھے مار ڈالنے کے بارے میں سوچ رہی ہو گی اور شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں مر نہیں سکتا۔"

دیوی روشنک نے کہا:

"میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں تمہارے ساتھ آگے جو ہونے والا ہے وہ بھی جانتی ہوں۔"

عنبر بولا:

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تمہیں جو کرنا ہے کر کے

دیکھ لو۔"

دیوی روشنک نے قہقہہ لگایا اور بولی:

"میں تمہارے ساتھ جو کرنے والی ہوں اسے تم نہ دیکھ سکو گے۔"

عنبر کو غصہ آ گیا۔ اس نے گرج دار آواز میں کہا:

"اے مکار عورت! یہاں سے بھاگ جا نہیں تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔"

دیوی روشنک کے ماتھے میں سے سرخ رنگ کی ایک شعاع نکل کر عنبر کی گردن پر ہنٹر کی طرح آ کر پڑی۔ وہ ایک طرف سے آئی اور عنبر کی گردن کے اندر سے ہوتی ہوئی دوسری طرف سے باہر نکل گئی۔ سرخ شعاع کا دوسری طرف سے نکلنا تھا کہ عنبر کی گردن کٹ گئی اور دھڑ سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑی۔ عنبر کا دھڑ اور کٹا ہوا سر ایک دم سن ہو گیا۔ پتھر کا بن گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ اسے دیوی روشنک کا قہقہہ بلند ہوتا سنائی دیا۔ عنبر کا سر گھاس پر پڑا تھا۔ اس نے دھندلی دھندلی آنکھوں سے گھاس کے خوشوں میں سے دیکھا کہ دیوی روشنک کا ہیولا قہقہے لگاتا اور پیچھے ہٹتا ہوا گنجان درختوں میں جا کر گم ہو گیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ دیوی روشنک نے عنبر سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایسا بدلہ لیا تھا کہ جس کے بارے میں عنبر کبھی سوچ بھی نہیں سک
تھا۔ وہ پانچ ہزار سال سے سفر کر رہا تھا اور ان پانچ ہزار سا
میں کسی بڑے سے بڑے جادوگر کو بھی یہ ہمت نہ ہوئی تھی
اس کی انگلی کا ایک ناخن تک کاٹ سکے۔ لیکن اس دیو
روشنک نے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی، لیکن اس ک
حالت مردے سے بھی بُری تھی۔ اس کا دھڑ الگ اور سر
الگ گھاس پر پڑا تھا۔ اس کا دھڑ اور کٹا ہوا سر۔ دونوں
پتھر کے ہو چکے تھے۔ نہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا سکتا تھا او
نہ اپنی آنکھوں کو دائیں بائیں یا اوپر نیچے حرکت دے سک
تھا۔ وہ ایک ایسے پتھر کے بت کی طرح گھاس پر گرا پڑا تھ
جس کا سر زمین پر گرنے کی وجہ سے ٹوٹ کر باقی دھڑ سے
الگ ہو گیا ہو۔ سرخ یاقوت کی انگوٹھی اسی طرح عنبر کی انگلی میں
پڑی تھی۔ مگر وہ بھی انگلی کے ساتھ ہی پتھر بن چکی تھی اور اگ
کوئی اسے اتارنا چاہتا تو اتار نہیں سکتا تھا۔

پھر اچانک جنگل میں بڑے زور کی آندھی چلنے لگی۔ بادل
گرجنے لگے اور تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ عنبر خود
نہیں بول سکتا تھا مگر وہ سن سکتا تھا اور دھندلا دھندلا دیکھ
بھی سکتا تھا۔ اسے بارش اور آندھی کے طوفان میں جیسے چڑیلوں
کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں

اور وہ انہیں بند نہیں کر سکتا تھا۔ آندھی کے زور سے
درخت دہرے ہوئے جا رہے تھے۔ تیز ہوا نے عنبر
کے سر اور دھڑ کو گھاس پر دریا کی طرف لڑھکانا شروع کر
دیا۔ دریا کے کنارے پر جا کر عنبر کا سر اور دھڑ رک گئے۔
پھر ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور عنبر کا سر اور دھڑ غڑپ کی
آواز کے ساتھ دریا میں گر گئے۔

دریا کی لہریں طوفانی ہو رہی تھیں۔ ان تیز طوفانی موجوں
میں عنبر کا سر اور دھڑ آگے پیچھے بہنے لگے۔ عنبر اپنے
دھڑ کو آنکھیں گھما کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس کا ذہن
کہہ رہا تھا کہ اس کا کٹا ہوا پچھلا دھڑ ضرور اس کے پیچھے
پیچھے آ رہا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا؟ کیا
اس کا سر دوبارا اس کے جسم سے جڑ سکے گا؟ کیا وہ دوبار
ناگ، ماریا اور خلائی لڑکی کو دیکھ سکے گا؟ اور اگر اس کا
سر کہیں اور چلا گیا اور دھڑ کسی اور طرف نکل گیا تو پھر کیا
ہو گا؟ پھر تو قیامت تک دوبارا زندہ نہ ہو سکے گا۔

عنبر کا کٹا ہوا سر انہی خیالوں میں گم دریا کی طوفانی موجوں
پر بہا جا رہا تھا۔ اس کا کٹا ہوا دھڑ بھی اس کے پیچھے پیچھے
بہتا چلا آ رہا تھا۔ عنبر کی پتھرائی ہوئی آنکھیں کھلی تھیں اور
اسے تاریک آسمان پر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بارش

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی۔ بارش کے قطرے بڑی تیزی سے عنبر کی کھلی آنکھوں پر گر رہے تھے۔ مگر عنبر آنکھیں بند نہیں کر سکتا تھا۔ بارش کے قطرے اس کی آنکھوں کے پتھروں سے ٹکرا کر پھسل جاتے تھے۔

اب عنبر کی آنکھیں اور زیادہ دھندلانے لگیں۔ وہ سمجھا کہ شاید یہ بارش کی وجہ سے ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد عنبر کی آنکھیں تو کھلی تھیں مگر اسے دکھائی کچھ نہیں دے رہا تھا۔ وہ سمجھا کہ اس پر شاید موت کی تاریکی چھانے لگی ہے اور سچ مچ اب اس کا آخری وقت آگیا ہے۔ اس نے اپنے دماغ میں خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد عنبر کو بالکل ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں اور کس جگہ پر ہے۔

○

اب ہم آپ کو آج کے یعنی ۱۹۸۳ء کے لاہور میں لاتے ہیں۔ ستمبر کا مہینہ ہے۔ بارشوں کی وجہ سے دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا ہوا ہے۔ کھیت اور گاؤں پانی میں ڈوب گئے ہیں۔ تین دن کے بعد سیلاب کا پانی خشک ہوا تو دریا کے کنارے ایک جگہ کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے کسان نے دیکھا کہ ایک انسان کا کٹا ہوا سر اور کٹا ہوا دھڑ مٹی میں دبے

پڑے ہیں۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ کوئی انسانی لاش پڑی ہے جب اس نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ پتھر کا بت تھا۔ اس نے پتھر کے سر کو اٹھا کر غور سے دیکھا۔ بت کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور بالوں میں اور ناک میں مٹی چپکی ہوئی تھی۔ یہ عنبر کا سر اور کٹا ہوا دھڑ تھا اور عنبر اس کسان کو دیکھ رہا تھا اور آس پاس درختوں پر چہچہاتے پرندوں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔

کسان نے عنبر کا کٹا ہوا سر اور دھڑ اٹھا کر کھیت کے کنارے ایک جگہ گھاس میں رکھ دیا۔ اس نے سوچا کہ یہ کوئی پرانا بت ہے جو سیلاب کے پانی میں دریا میں بہتا وہاں پر آگیا ہے اور وہ آثار قدیمہ کے محکمے والوں کو دے کر اس کے معاوضے میں انعام حاصل کرے گا۔ عنبر کے جسم کے ساتھ اس کا لباس بھی پتھر کا ہو گیا تھا جو پرانے زمانے کا تھا جس سے کسان کو شک پیدا ہوا کہ یہ کوئی پرانا تاریخی بت ہے۔ اس نے تھانے میں جا کر اطلاع دی۔ تھانے والوں نے محکمہ آثار قدیمہ کو خبر کر دی وہ لوگ ویگن میں بیٹھ کر وہاں آئے اور عنبر کے کٹے ہوئے سر اور دھڑ کا غور سے معائنہ کرنے لگے۔ ان میں ایک بوڑھا پروفیسر بھی تھا۔ اس نے عنبر کے چہرے اور اس کے پرانے زمانے کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لباس کو دیکھ کر کہا:

"میرے اندازے کے مطابق یہ دو ہزار برس پرانا بت ہے اور اس کا تعلق قدیم مصر سے ہے۔"

دوسرا پروفیسر بولا:

"سر! میرا خیال ہے کہ یہ انسانی بت موہنجو دڑو کے زمانے کا ہے اور دریائے سندھ کی تہہ سے سیلاب کی وجہ سے نکل کر دریائے راوی میں آ گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہے۔ ہم اس کا لیبارٹری میں غور سے معائنہ کریں گے۔"

عنبر ان کی باتیں سن رہا تھا اور خاموش تھا۔ کیوں کہ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ یہ جان کر اسے ایک طرح سے تسلی ہوئی تھی کہ وہ ۱۹۸۳ء کے زمانے کے لاہور میں آ گیا ہے جہاں اس کا اور ناگ ماریا کا دوست امجد رہ رہا تھا۔

عنبر کے کٹے ہوئے سر اور دھڑ کو ویگن میں ڈال کر لیبارٹری میں لے جایا گیا۔ وہاں اسے پانی اور دوسرے مسالوں سے خوب دھو کر صاف کیا گیا۔ پھر اس کا معائنہ شروع ہو گیا۔ عنبر کے ہاتھ میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو دیکھ کر پروفیسر بولا:

"یہ انگوٹھی قدیم بابل کے زمانے کی لگتی ہے۔ موہنجو ڈاڑو کے زمانے کے لوگ ایسی انگوٹھیاں نہیں پہنا کرتے تھے۔"

دوسرا پروفیسر کہنے لگا:

"ہو سکتا ہے یہ دونوں تہذیبیں کسی زمانے میں ایک جیسی رہی ہوں پروفیسر! ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دونوں تہذیبوں کے بارے میں تاریخ ہمیں بہت کم بتاتی ہے۔"

پہلا پروفیسر بولا:

"کچھ بھی ہو۔ یہ بت بہت پرانا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک قیمتی دریافت ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" دوسرے پروفیسر نے کہا:

"میرا خیال ہے اب ہمیں اس بت کو لاہور کے عجائب گھر کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اس بت کی وجہ سے ہمارے عجائب گھر کی قدر و منزلت بڑھے گی۔"

دوسرے پروفیسر نے پوچھا:

"مگر پروفیسر! ہم اس کے نیچے کیا لکھیں گے؟"

پہلا پروفیسر کہنے لگا:

"یہی کہ — موہنجو ڈاڑو کی قدیم تہذیب کا ایک انسان۔ جس کا بت دریائے راوی کی تہہ سے برآمد ہوا۔"

"بالکل ٹھیک ہے سر!"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دو روز بعد عنبر کے سر کو پیچ دار کیلوں کی مدد سے اس کے دھڑ کے اوپر لگا کر لاہور کے عجائب گھر والوں کو دے دیا گیا۔ عنبر کے بت کو شیشے کی ایک اونچی الماری میں کھڑا کر دیا گیا۔ الماری کے باہر ایک تختی پر یہ لکھ دیا گیا کہ "موہنجو داڑو کی قدیم تہذیب کا ایک انسان۔ جس کا بت دریائے راوی کی تہہ سے برآمد ہوا۔"

اسی روز اخباروں میں یہ خبر بھی چھپ گئی اور عنبر کے بت کی تصویر بھی ساتھ ہی آ گئی۔ امجد کے سالانہ امتحان ختم ہو گئے تھے اور وہ نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دسویں کا امتحان دیا تھا۔ دن بھر وہ فارغ ہوتا اور یا اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتا یا لائبریری میں جا کر کتابیں پڑھتا اور یا کیرم بورڈ کھیلتا تھا۔ رات کو وہ عنبر ناگ ماریا کی تازہ چھپی قسط کا مطالعہ کرتا اور یہ دیکھتا کہ عنبر ناگ ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی آج کل کہاں ہیں۔

جس روز اخباری میں عنبر کے کٹے ہوئے سر والے بت کی خبر اور اس کی تصویر اخبار میں چھپی اس روز امجد صبح ہی صبح گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلنے گیا ہوا تھا۔ کرکٹ کھیل کر وہ کوئی نو بجے اپنی گارڈن ٹاؤن والی کوٹھی میں واپس آیا تو ڈرائینگ روم میں اس کی چھوٹی بہن اخبار پڑھ رہی تھی۔

اس کی امی باورچی خانے میں ناشتہ بنا رہی تھی اور والد غسل خانے سے نہا کر ابھی ابھی نکلے تھے اور اپنے کمرے کپڑے بدل رہے تھے انہیں آج ریلوے کے ایک ٹھیکے کے سلسلے میں ریلوے کے ہیڈ کوارٹر میں جانا تھا۔

امجد نے اپنی بہن کے قریب سے گذرتے ہوئے کہا:

"کیا تم صبح صبح بوڑھی عورتوں کی طرح اخبار لے کر بیٹھ جاتی ہو۔"

اس کی بہن نے چلا کر کہا:

"امی جان! دیکھیں امجد مجھے پھر تنگ کر رہا ہے۔"

امجد اس کی گت کھینچ کر بھاگ گیا۔ اس کی بہن امجد کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگی۔

امی نے باورچی خانے سے آواز دی:

"یہ کیا شور مچا رکھا ہے تم دونوں نے؟"

امجد کی بہن نے کہا:

"امی! امجد نے مجھے بوڑھی مائی کہا ہے۔"

امجد بولا:

"امی جان! یہ جھوٹ بولتی ہے۔ میں نے تو بوڑھی کہا تھا مائی نہیں کہا تھا۔"

امجد کا والد کپڑے بدل کر باہر آ گیا اور ناشتے کی میز

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر بیٹھتے ہوئے بولا:

"ارے بھئی تم دونوں بہن بھائی بہت شور مچاتے ہو۔"

نوکر نے ناشتہ لا کر رکھ دیا۔ امجد بھی منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا اور دودھ کا گلا اٹھا کر پینے لگا۔ اس کی بہن قریب سے گذری تو امجد نے زبان باہر نکال کر اس کا منہ چڑایا۔ اس کی بہن نے کہا:

"ابو دیکھیں امجد زبان نکال رہا ہے۔"

امجد نے جھٹ کہا:

"ابو جان بھلا میں زبان کیسے نکال سکتا ہوں یہ دیکھئے میری زبان میرے منہ میں ہے۔"

اس کے والد نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا:

"ارے بھئی شور نہ کرو۔ مجھے یہ خبر پڑھنے دو۔"

امجد کی چھوٹی بہن امجد کو ٹھینگا دکھاتے ہوئے باورچی خانے میں چلی گئی۔ امجد ٹوسٹ پر مکھن لگانے لگا۔ اس کے والد اخبار پڑھتے پڑھتے بولے:

"بھئی کمال ہے۔ اتنا پرانا بت کیسے نکل آیا؟"

"کون سا بت ابو جان؟" امجد نے پوچھا:

اس کے والد نے اخبار میز پر رکھتے ہوئے کہا:

"تو تم بھی پڑھو۔ کوئی پرانا بت زمین میں سے نکلا ہے اور اس کی تصویر بھی چھپی ہے۔"

امجد نے اخبار اٹھا کر پہلے خبر پڑھی اور پھر جب تصویر دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ یہ اس کے دوست عنبر کی تصویر تھی۔ اگرچہ عنبر ان کے گھر آ چکا تھا مگر امجد کے والد نے عنبر کو نہیں پہچانا تھا کیوں کہ چہرے کے پتھر بن جانے کی وجہ سے چہرے کے نقوش میں فرق آ گیا تھا مگر امجد کی نگاہیں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ اس نے عنبر کو صاف پہچان لیا تھا۔ ناشتہ وہیں چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے والد نے کہا:

"ارے میاں ناشتہ کیوں نہیں کر رہے؟"

امجد بولا:

"دودھ پی لیا ہے ابو جان۔ ٹوسٹ کھانے کو دل نہیں چاہتا۔"

وہ اپنے گھر میں ابھی کسی کو عنبر کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اپنے والد کے مجبور کرنے پر امجد نے جلدی جلدی دو ٹوسٹ کھائے اور کپڑے پہن کر اپنا سکوٹر نکالا اور سیدھا لاہور کے عجائب گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دریا کنارے سرکٹا بھوت

لاہور کے عجائب گھر میں کافی رش تھا۔

لوگ موہنجو ڈارڈو کے بت کی نئی دریافت کو دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ شیشے کی جس الماری میں عنبر کا بُت کھڑا تھا اس کے آگے بہت سے لوگ جمع اسے تک رہے تھے۔ عنبر کی نگاہ بالکل سامنے پڑ رہی تھی۔ اچانک اس نے لوگوں کے پیچھے اپنے لاہور کے پرانے دوست امجد کو کھڑے دیکھا۔ عنبر کے ذہن میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی امجد کو دیکھ کر اسے بڑی تسلی ہوئی تھی۔ حالانکہ عنبر جانتا تھا کہ امجد اس کی کوئی مدد نہ کر سکے گا۔ کیوں کہ دیوی روشنک کی قاتل شعاع نے جس طرح سے اس کی گردن اس کے دھڑ سے الگ کر کے اسے سچ مچ کا پتھر بنا دیا تھا اب خدا جانے وہ کب اور کس طرح واپس زندہ انسان بن سکتا تھا۔ بلکہ عنبر کو تو دوبارا زندہ ہونے کی بہت ہی کم امید تھی۔ پھر بھی امجد کو دیکھ کر اسے بہت

خوشی ہوئی۔

امجد نے بھی عنبر کو دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا تھا اور اس کی کٹی ہوئی گردن کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا تھا۔ بلکہ امجد کی آنکھوں میں آنسو بھی چھلک پڑے یہ سوچ کر اس کے دوست کا یہ حال کس نے کر دیا ہے۔ جب لوگ بت کے آگے سے ہٹ کر ادھر ادھر بکھر گئے تو امجد الماری کے پاس آ کر عنبر کو غور سے دیکھنے لگا۔ صاف لگ رہا تھا کہ عنبر پتھر کا بت بن گیا ہے اور اس کی آنکھیں بھی پتھر ہو گئی ہوئی ہیں۔ عنبر امجد کو ان پتھریلی آنکھوں سے بھی دیکھ رہا تھا۔ مگر امجد کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اسے بول کر بتا نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ امجد نے وہ تختی پڑھی جو الماری کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور جس پر لکھا تھا کہ یہ بت موہنجو ڈارو کی قدیم تہذیب کے ایک عام آدمی کا ہے۔ امجد نے عنبر کی گردن میں لگے ہوئے پیچ دار کیل بھی دیکھے جن کی مدد سے کٹی ہوئی گردن کو اس کے دھڑ کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔

امجد جانتا تھا کہ عنبر مر نہیں سکتا۔ لیکن اس کی گردن کٹ چکی تھی اور وہ پتھر کے بُت میں تبدیل ہو گیا ہوا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ عنبر سچ مچ مر چکا ہو کیونکہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی کوئی
نہیں کر رہی تھیں۔ امجد نے عنبر کے ہاتھ کی ایک ا
میں سرخ نگینے والی انگوٹھی بھی دیکھی جو اس کے جسم
ساتھ ہی پتھر بن کر چپک گئی تھی۔ پھر امجد نے عنبر
چہرے کی طرف غور سے تکتے ہوئے کہا:

"انکل عنبر! کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟"

عنبر نے دل میں آہستہ سے کہا:

"ہاں امجد! میں تمہاری آواز بھی سن رہا ہوں اور
تمہیں دیکھ بھی رہا ہوں۔"

مگر عنبر کے دل کی آواز امجد تک نہیں پہنچ سکتی
وہ اس کی آواز نہیں سن سکتا تھا اور نہ ہی اسے یہ
ہو سکتا تھا کہ عنبر اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے بھی ا
دیکھ رہا ہے اور اس کی آواز بھی سن رہا ہے۔ امجد نے
کے شیشے پر آہستہ سے انگلی کو دو تین بار مارا اور کہا:

"انکل عنبر! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں آپ
کے لیے کیا کر سکتا ہوں انکل؟"

عنبر صاف دیکھ رہا تھا کہ امجد کی آنکھوں میں آنس
رہے ہیں اور اسے عنبر کی حالت دیکھ کر سخت دکھ
رہا ہے۔ عنبر کا دل بھی امجد کے لیے بھر آیا۔ مگر وہ

ہی ایک دوسرے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ دونوں
اپنی اپنی جگہ پر مجبور اور بے بس تھے۔

عنبر نے دل میں امجد کو مخاطب کر کے کہا:

"بیٹا امجد! میں تمہاری محبت کی قدر کرتا ہوں مگر
تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ جا کر اللہ سے
دعا کرو کہ وہ اپنے کرم سے مجھے اس مشکل سے
نجات دلائے۔"

عنبر کی آواز امجد تک نہیں پہنچ سکی۔ امجد الماری کے
سامنے کھڑا بت بنا عنبر کے بت دیکھتا چلا گیا۔ پھر وہ
شیشے کی الماری پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ عجائب گھر کے
ایک ملازم نے قریب آ کر امجد کو کہا:

"لڑکے الماری کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ چلو آگے بڑھو
تم بہت دیر سے یہاں کھڑے ہو۔"

امجد نے جلدی سے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ عنبر کو بڑا غصہ
آیا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو عجائب گھر کے ملازم کی خوب خبر
لیتا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکتا تھا
امجد الماری سے پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور عنبر کے
بت کو دیکھنے لگا۔ پھر امجد وہاں کھڑے کھڑے تھک گیا
اور عنبر کے بت پر ایک آخری حسرت بھری نگاہ ڈال کر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عجائب گھر کے ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔

عنبر اسے جاتے ہوئے خاموش، پتھرائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا جب امجد اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تو نہیں آ سکتے تھے مگر اس کا دل بھر آیا۔ وقت گذرتا چلا گیا۔ دوپہر سے شام ہو گئی۔ لاہور کے لوگ عنبر کے بت کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔

عجائب گھر کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا۔ کمروں میں کہیں کہیں دھیمی دھیمی روشنیوں والے بلب جلا دیئے گئے۔ جن کی مدھم روشنی اندھیرے کو بہت کم دور کر رہی تھی اور عجائب گھر کے اندر کا ماحول اور زیادہ پُراسرار ہو گیا تھا۔ یہاں دنیا جہان کی پرانی چیزیں جمع تھیں۔ عنبر کے بت کی الماری کے بالکل سامنے چبوترے پر کسی پرانے زمانے کے دیوتا کا بت رکھا ہوا تھا۔ اس بت کے سر پر پتھر کا تاج تھا اور گردن میں پتھر ہی کا ایک کالا سانپ مالا کی طرح پڑا تھا۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا اور باہر عجائب گھر کی سڑک پر گہری خاموشی چھا گئی عنبر خاموش اپنی الماری میں کھڑا تھا۔ اس کی نظریں بالکل سیدھ میں اپنے سامنے والے بت پر گڑھی ہوئی تھیں کیوں کہ وہ اپنی نظر کو ادھر اُدھر نہیں گھما سکتا تھا۔ اچانک عنبر نے محسوس کیا کہ دیوتا کا بت اپ

آنکھیں جھپکنے لگا ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور غور سے بت کو دیکھنے لگا۔ پھر اسے دیوتا کے بت کے ہونٹ ہلتے نظر آئے اور اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"تم دیوی روشنگ کے انتقام کا نشانہ بنے ہو۔ تم پر بھاری مشکل آن پڑی ہے۔"

عنبر کے کان سامنے والے دیوتا کے بت کی آواز بڑی صاف صاف سن رہے تھے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔

"یہ بت کیوں کر بولنے لگا ہے؟"

اس کے جواب میں دیوتا کے بت نے کہا:

"میں نے تمہارے دل کی آواز سن لی ہے۔ میں کئی صدیوں سے خاموش تھا مگر تمہاری حالت دیکھ کر مجھ سے خاموش نہیں رہا گیا عنبر؟"

عنبر نے کہا:

"کیا تم میرا نام جانتے ہو؟"

دیوتا کا بت بولا:

"ہاں! میں تمہارا نام بھی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم صدیوں کے مسافر ہو اور دیوی روشنگ نے تمہاری گردن کاٹ کر تمہیں پتھر بنا دیا ہے اور زندگی میں پہلی بار تمہاری یہ حالت ہوئی ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر نے اپنے دل میں کہا: [illegible]
[illegible] دیوتا! تم ہو کون [illegible] کیا تم میری [illegible] کر
سکتے ہو؟ [illegible]
دیوتا بھی بُت بن کر کھڑا [illegible]
تمہیں پھر سے زندہ کر دینا میری طاقت سے باہر
ہے لیکن اگر تم چاہو تو میں تمہیں [illegible] الماری
کی قید سے آزاد کر سکتا ہوں۔ [illegible]
عنبر نے کہا: [illegible]
خدا تمہارا بھلا کرے [illegible] دیوتا [illegible] مجھے جیسے بھی
ہو [illegible] اس الماری کی قید [illegible] باہر نکال دو [illegible]
دیوتا بولا: [illegible]
"ایک بار پھر غور کر لو [illegible] سوچ لو [illegible] یہاں اس الماری
میں تم حفاظت سے پڑے ہو۔ اگر تم اس سے
باہر نکل گئے تو کہاں جاؤ گے؟" [illegible]
عنبر نے پوچھا: [illegible]
"کیا میں زندہ ہو جاؤں گا [illegible]
[illegible] جاؤں گا [illegible]
دیوتا کے [illegible]
"یہی تو مشکل [illegible]
[illegible]

پتھر کے پتھر رہو گے۔ تم بات بھی نہیں کر سکو گے۔
تم اپنی آنکھیں بھی نہیں گھما سکو گے [illegible] تم اپنے
[illegible] بیٹھے ہو [illegible] کبھی بھی نہیں اُٹھ سکو گے لیکن تم [illegible]
پھر سکو گے۔"
عنبر سوچ میں پڑ گیا [illegible]
دیوتا نے کہا: [illegible]
"ایک بار پھر سوچ لو [illegible] تمہارے [illegible]
اپنی طاقت [illegible] پیدا کر دوں گا [illegible] تم [illegible]
[illegible] جا سکو گے [illegible]
[illegible]
[illegible] میں [illegible]
عنبر نے اپنے دل میں دیوتا کے [illegible]
[illegible] کہا: [illegible]
"مجھے منظور ہے [illegible] میں یہاں سے نکل کر کسی [illegible]
[illegible] چھپ جاؤں گا [illegible] زندہ [illegible] کی کوشش [illegible]
[illegible] لیکن اس الماری [illegible] قید خانے میں ساری
زندگی نہیں بسر کر سکتا [illegible]
دیوتا نے کہا: [illegible]
"ایک بار پھر غور کر لو [illegible]

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر نے کہا:

"میں نے کافی غور کر لیا ہے۔ اگر تم مجھے اس الماری سے نکال سکتے ہو تو خدا کے لیے مجھے نکال دو۔"

دیوتا کے بُت کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس کے بند ہونٹوں میں سے باریک سیٹی کی آواز نکلی۔ اس آواز کی لہریں جب اس کی گردن کے ساتھ لپٹے ہوئے پتھر کے سانپ کے جسم سے ٹکرائیں تو اس میں جان پڑ گئی۔ ایک سیکنڈ پہلے جو سانپ پتھر کا تھا اور دیوتا کی گردن سے لپٹا تھا اب آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اس کی گردن سے نیچے اتر رہا تھا۔ چبوترے پر آ کر سانپ نیچے فرش پر اتر آیا۔ اور چمکیلے فرش پر دھیرے دھیرے بل کھا کر رینگتا عنبر کی الماری کے پاس آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی گردن بلند ہوئی اور اس نے اپنا پھن پھیلا لیا۔ عنبر اپنی آنکھیں نیچی کر کے سانپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سانپ نے پھن پھیلا لیا ہے اور وہ اسے لہرا رہا ہے۔ پھر سانپ نے اپنا سر زور سے شیشے پر مارا۔ الماری کا شیشہ ٹوٹ گیا۔

سانپ نے اپنا سر ٹوٹے ہوئے شیشے کے سوراخ میں سے الماری کے اندر کیا اور عنبر کے پاؤں پر ڈس دیا۔ عنبر کا جسم پتھر کا ہو چکا تھا۔ اس کے جسم کے اندر تو سانپ کا زہر نہ جا سکا۔ لیکن اس کے پاؤں پر سانپ کا منہ لگتے ہی عنبر نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگوں میں جیسے جان سی پڑ گئی ہے۔ لیکن اس کا باقی سارا جسم اسی طرح پتھر کی مانند بے جان تھا۔ سانپ فرش پر رینگتے ہوئے واپس چبوترے پر چڑھ گیا اور دیوتا کے جسم پر رینگتا ہوا اس کی گردن میں جا کر لپٹ گیا اور دوبارہ پتھر کا سانپ بن گیا۔

دیوتا کے بُت نے کہا:

"عنبر! اب تم آزاد ہو۔ سانپ نے میرے حکم سے تمہاری ٹانگوں کو پھر سے زندہ کر دیا ہے مگر تمہارا باقی سارا جسم اسی طرح پتھر کا رہے گا اور تم اپنے بازوؤں کو بھی حرکت نہ دے سکو گے تمہاری گردن بھی اسی طرح کٹی ہوئی رہے گی۔ ان کے باوجود اگر تم یہاں سے جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔"

عنبر نے پاؤں کی ہلکی سی ٹھوکر مار کر الماری کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پڑنے لگے ... شیشے کی طرح ٹوٹ گیا اور آسمان سے پہلے ہی میں
... باہر نکل آیا۔ ایک ایک قدم چل کر وہ دیوتا کے
مجسمے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا ... [illegible]
... بہت محبت کی ہے۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں ...
... تم ... مجھے ... خواب ... [illegible]
... پھول ... اس ... تمہارا ...
... [illegible]
... محبت ... [illegible]
... میرا ... عنبر ... [illegible]
تمہارے لیے کچھ کر سکتا۔ لیکن اس سے زیادہ ...
کرنے کی میرے اندر طاقت ... ہے ...
... اب ... کہیں ... جاؤ گے ... تم ...
... [illegible]
... کر ... [illegible]
عنبر کہنے لگا: ... [illegible]
میں اس شہر میں ... چلا ... [illegible]
نام کا ایک ... [illegible]
دیوتا کا بت بولا:
... [illegible]

تمہاری ... باتیں ... [illegible]
کر رہا تھا اور تمہاری حالت دیکھ کر ...
آنکھوں ... آنسو بھی ... کیا تم ...
پاس جاؤ گے؟"
... [illegible]
عنبر نے کہا:
"نہیں ... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... پھر تم کہاں جاؤ گے؟" ... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... عنبر نے کہا ... [illegible]

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"دیکھا جائے گا۔ کم از کم اس الماری کی گھٹی ہوئی فضا سے تو نجات ملے گی۔"

"تمہاری مرضی دوست! میری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

عنبر عجائب گھر کے بڑے ہال کمرے میں الماریوں کے ساتھ ساتھ ہو کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بڑے دروازے تک آ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا طاق لگا ہوا تھا جو بند کر دیا گیا تھا۔ عنبر کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ زندہ تھا اور اوپر کا دھڑ پتھر کا تھا۔ وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس نے طاق کے دروازے کو اپنے پاؤں کے زور سے اکھاڑ کر الگ کر دیا اور عجائب گھر میں سے نکل کر سامنے والے باغ میں آ گیا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا اور پولیس کے دو سپاہی گشت لگاتے ابھی ابھی وہاں سے گزر کر یونیورسٹی کی طرف گھوم گئے تھے۔ رات کے تین بج رہے ہوں گے۔ مال روڈ پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس حالت میں مقبرہ جہانگیر تک جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ راستہ کافی لمبا تھا اور راستے میں کہیں بھی پولیس والے اسے پکڑ سکتے تھے۔ ہاں اگر اس کو دیکھ کر ڈر گئے تو اس کی جان

بچ سکتی تھی۔

عنبر مال روڈ کے فٹ پاتھ پر آ گیا اور درختوں کے اندھیرے سایوں میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا بھاٹی دروازے کی طرف چل پڑا۔ سڑک دور تک سنسان تھی۔ اتفاق سے راستے میں پولیس کی کوئی گشتی پارٹی بھی اسے نہ ملی اور عنبر سڑک کے کنارے کنارے چھپ کر چلتا ہوا بھاٹی کے چوک کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں ایک ٹرک کھڑا تھا جس پر کسی کا گھریلو سامان لدا ہوا تھا۔ ڈرائیور اور کلینر چائے خانے کے باہر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ جہاں ٹرک کھڑا تھا وہاں اندھیرا تھا۔ عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ ٹرک کہاں جا رہا ہے۔ اتنے میں اسے ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔ وہ چائے پی کر اٹھا اور کلینر سے بولا:

"ارے بھوتنی کے جلدی جلدی چائے ختم کر۔ جہلم پہنچ کر پھر چائے پلاؤں گا تمہیں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ ٹرک جہلم کے راستے سے راولپنڈی جا رہا ہے۔ لاہور میں رہ کر اسے اتنا علم ہو چکا تھا کہ لاہور سے جو ٹرک پنڈی کی طرف جاتے ہیں وہ دریائے راوی کے پل پر مقبرہ جہانگیر کے قریب سے ہو کر گزرتے ہیں۔ عنبر کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ اگر وہ کسی طرح

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ٹرک میں چھپ کر بیٹھ جائے تو مقبرہ جہانگیر پہنچ سکتا ہے
مشکل صرف یہ تھی کہ اگر ٹرک سڑک سے ہٹا تو عنبر اس
پر سے چھلانگ نہیں لگا سکے گا۔ کیونکہ چھلانگ لگانے
سے اس بات کا خطرہ تھا کہ اس کی گردن ٹوٹ جائے
کے جسم نے الگ [illegible] جائے گی۔ ڈرائیور [illegible] ٹرک
اگلی سیٹوں پر بیٹھ گئے [illegible] اور ڈرائیور نے ٹرک کا انجن
سٹارٹ کر دیا تھا۔ عنبر [illegible] نے کہا اس سڑک پر بیٹھ
جاؤ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ [illegible] قدم اٹھایا ٹرک
کے پیچھے آیا اور اچھل کر ٹرک میں جہاں سامان کے
درمیان تھوڑی بہت جگہ تھی [illegible] بیٹھ گیا۔ خدا کا شکر تھا کہ
وہ بچے [illegible] اپنے [illegible] نہیں ہل سکتا تھا اور اس
کے ہاتھ اس [illegible] اور [illegible] جسم کی طرح [illegible] پتھر کے تھے
ٹرک راولپنڈی کی طرف روانہ ہو گیا [illegible]

عنبر سر باہر نکال کر راستوں کو دیکھ رہا تھا اور پہچاننے کی
کوشش کر رہا تھا۔ راوی روڈ [illegible] پر چل رہی تھی۔ ٹرک بڑی
تیزی سے وہاں سے گزر رہا [illegible] راوی کے پل کے
قریب پہنچ رہا تھا۔ عنبر نے دور ہی سے وہ چوک پہچان
لیا جہاں سے ایک چھوٹی سی سڑک نیچے مقبرہ جہانگیر کی طرف
جاتی تھی۔ اب وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ ٹرک [illegible]

وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹرک رک جائے [illegible]
کا کرنا کہ چوک [illegible] کے شروع [illegible]
[illegible] ایک کھڑا ہوا [illegible] ٹرک [illegible]
کے لیے یہی ایک موقع تھا [illegible] ٹرک [illegible]
پر جا رہا تھا۔ عنبر نے ٹرک میں سے چھلانگ لگا دی [illegible]
وہ [illegible] کنارے [illegible] جھاڑیوں میں [illegible] گرا۔ [illegible]
[illegible]
کی کوشش [illegible]
[illegible] خوش قسمتی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
مقبرہ جہانگیر کا [illegible] دروازہ کھلا تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
عنبر اپنے پاؤں [illegible]

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

والے درختوں کی طرف رُخ کر کے ہنٹر کو زور سے
گھما مارا۔ ہنٹر اچھل کر سامنے والے درختوں میں ٹین کے
ایک سائبان سے جا کر ٹکرایا اور بڑے زور کی آواز پیدا ہوئی
پہرے دار لاٹھی زمین پر مار کر للکارا۔

"کون ہے اُدھر؟"

جب کوئی آواز نہ آئی تو پہرے دار لاٹھی اٹھائے آہستہ
آہستہ ان درختوں کی طرف بڑھنے لگا جہاں ٹین کا ایک
سائبان لگا تھا۔ وہ ٹارچ سے اُدھر روشنی بھی پھینک رہا
تھا۔ جب وہ مقبرے کے ڈیوڑھی والے بڑے دروازے سے
ہٹ گیا تو عنبر اندھیرے میں سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ڈیوڑھی
میں داخل ہو گیا اور پھر مقبرے کے وسیع باغ میں سے گزر
کے [illegible]ں روش پر آ گیا جو سیدھی مقبرہ جہانگیر کے گنبد کی
سیڑھیوں تک چلی گئی تھی۔ درختوں پر رات کے پچھلے پہر کی
گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی اور اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

عنبر ان درختوں میں سے گزرتا ہوا مقبرے کی سیڑھیاں
چڑھ کر گنبد کے نیچے اس جگہ آ گیا جہاں بادشاہ جہانگیر کی
قبر بنی ہوئی تھی۔ اصل میں یہ جہانگیر بادشاہ کی قبر کا نشان تھا۔
اصلی قبر نیچے تہہ خانے میں بنی ہوئی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ
اوپر رہنے کی بجائے نیچے تہہ خانے میں چل کر ٹھکانا

بنانا چاہیے۔ کیوں کہ اوپر سارا دن لوگ آتے جاتے رہتے
تھے مگر نیچے تہہ خانے میں بہت کم لوگ جاتے تھے۔
ویسے بھی وہاں دن کے وقت بھی گھپ اندھیرا چھایا رہتا
تھا۔ اس سے پہلے عنبر یہاں اس تہہ خانے میں کچھ وقت
گزار چکا تھا۔ وہ مقبرے کے گنبد سے نکل کر اس کے
پچھواڑے باغ میں آ گیا۔ یہاں دیوار کے ساتھ ہی ایک جگہ
سے ٹوٹی پھوٹی پرانی اینٹوں کی بنی ہوئی سیڑھیاں نیچے
تہہ خانے میں چلی گئی تھیں۔ عنبر سیڑھیاں اُتر کر تہہ خانے میں آ گیا اندھیرے
میں اس کی آنکھیں برابر سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ یہاں
ایک کچی قبر تھی جس پر کہیں کہیں پکی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔
یہ بادشاہ جہانگیر کی اصلی قبر تھی۔ زمین کچی تھی۔ دیواریں بھی
کچی تھیں اور اندھیرے اور تاریکی میں کسی جگہ سے جھینگر کے
بولنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ عنبر قبر سے ہٹ کر دیوار
کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں لیٹ گیا۔ کیوں کہ بازو
پتھر کے ہونے کے بعد اس کو بیٹھتے ہوئے تکلیف کا
احساس ہوتا تھا۔

دن نکلا تو سارے شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی
طرح پھیل گئی کہ عجائب گھر میں سے موہنجو داڑو کا نیا بُت
غائب ہو گیا ہے اور کسی نے الماری کا شیشہ توڑ کر اسے
چوری کر لیا ہے۔ شہر کی پولیس حرکت میں آ گئی۔ خفیہ محکمے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیکھے جاتے تھے۔ فرش پر بت جیسے پاؤں کے نشان
ابھرے ہوئے تھے۔ یہ نشان عجائب گھر سے نکل کر فٹ پاتھ کی طرف
جاتے تھے۔ فٹ پاتھ پر ان کا رخ بھاٹی دروازے کی
طرف ہو گیا تھا مگر لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے
آگے یہ نشان مٹ گئے تھے۔

انسپکٹر نے جب یہ خبر سنی تو اسے اس بات پر خوشی
ہوئی کہ عنبر کو عجائب گھر کی قید سے نجات مل
گئی ہے۔ لیکن وہ پریشان بھی ہوا کہ خدا جانے اب عنبر کو
کون چور ڈاکو اپنا [illegible] کرنے لگے ہوں گے کہیں یہ
بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ عنبر جو کہ ایک پتھر کا بت بن چکا ہے
اپنے پاؤں پر چل کر غائب ہو سکتا ہے۔ شہر میں جگہ جگہ چھاپے
مارے جا رہے تھے۔ عادی چوروں سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی۔
[illegible] محکمہ آثار قدیمہ کے اندازے کے مطابق موہنجو داڑو کے
اس بت کی قیمت کئی لاکھ روپے تھی۔

عنبر کو مقبرہ جہانگیر کے تاریک تہہ خانے میں چھپے تین
دن گزر گئے تھے۔ سارا دن عنبر تہہ خانے کے اندھیرے میں
چھپا رہتا۔ [illegible] تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل کر مقبرے
میں آ جاتا۔ ادھر ادھر ٹہلنے پھرنے لگتا [illegible]
اپنے انجام کے بارے میں سوچا کرتا [illegible]

[illegible] کیا کر سکے گا [illegible]؟ [illegible]

ایک رات وہ اسی طرح مقبرے کے باغ میں ٹہل رہا
تھا کہ چوکیدار [illegible] اچانک سامنے
آ گیا۔ چوکیدار نے پوچھا۔ کون ہے [illegible]
[illegible] کون [illegible] [illegible]
[illegible] عنبر کو للکارا [illegible]
[illegible]
[illegible] عنبر [illegible] تم [illegible] چوکیدار نے پوچھا [illegible]
عنبر کیا جواب دیتا۔ اندھیرے میں بھی خاموش بت بنا کھڑا رہا۔
چوکیدار غصے میں آ گیا۔ بڑھ کر اس نے لاٹھی کا ایک وار عنبر کی
ٹانگوں پر کیا۔ لاٹھی عنبر کی ٹانگوں سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ عنبر
نے اچھل کر چوکیدار کے سینے پر ایک زوردار ٹکر ماری۔
کیونکہ وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا صرف پاؤں ہی ہلا سکتا
تھا۔ چوکیدار پیچھے کو گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ لیکن عنبر کے
ساتھ یہ ٹریجڈی ہو گئی کہ اچھلنے کی وجہ سے عنبر زمین پر
گرا تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا۔ کیونکہ اس کے بازو
حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ پیٹھ کے بل پیچھے کو گرا۔ اس
کا سر فرش سے ٹکرایا اور گردن کے نیچے ٹوٹ جانے سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کی گردن جسم سے الگ ہو کر لڑھکتی ہوئی دور چلی گئی۔

اب عنبر کا سر تو اپنے دھڑ کو دیکھ سکتا تھا مگر اس کا دھڑ اپنے سر کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ عنبر پاؤں سے بھی اپنے سر کو پکڑ کر کہیں چھپا نہیں سکتا تھا۔ اتنے میں دوسرا چوکیدار بھی پہلے چوکیدار کی للکار کی آواز سن کر لڑکھڑاتا ہوا ادھر آ گیا۔ عنبر اندازے سے واپس گھوما اور پاؤں سے زمین کو ٹٹولتا اور سراغ لگاتا ہوا واپس تہہ خانے میں اتر کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کا سر باہر جھاڑیوں کے قریب بے ہوش چوکیدار کے پاس پڑا تھا اور عنبر خود مقبرے کے نیچے تہہ خانے کے اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لیٹا اپنی بدقسمتی پر افسوس کر رہا تھا۔

دوسرے چوکیدار نے ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھا کہ پہلا چوکیدار بے ہوش پڑا ہے۔ اس نے جلدی سے اسے ہلا جلا کر ہوش دلائی اور پوچھا:

"کیا ہوا تھا زمان خان؟"

زمان خان نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا:

"درخت چور آیا تھا۔ میں نے ٹانگ ماری تو میری چھاتی پر حملہ کر دیا۔ میں بے ہوش ہو گیا۔"

دوسرے چوکیدار نے کہا:

"مگر تمہاری تو لاٹھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ آدمی تھا یا کوئی جن تھا؟"

"خدا ہی جانے۔"

دوسرا چوکیدار زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر چور کے پاؤں کے نشان تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اس کی چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا؟" زمان خان نے پوچھا۔

دوسرے چوکیدار کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یہ دیکھو کیا ہے زمان خان ــــ ایک انسان کا کٹا ہوا سر۔"

دونوں چوکیدار خوف بھری نظروں سے عنبر کی کٹی ہوئی گردن والے سر کو دیکھ رہے تھے۔ جو ٹارچ کی روشنی میں زمین پر پڑا صاف نظر آ رہا تھا۔

"یہ تو اسی چور کی گردن لگتی ہے زمان خان؟ تم نے کہیں اسے قتل تو نہیں کر دیا؟"

زمان خان بولا:

"مگر میں نے اس کی ٹانگوں میں لاٹھی ماری تھی۔"

دوسرا چوکیدار آگے بڑھ کر عنبر کی گردن پر جھک گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مگر گردن سے کوئی خون نہیں نکل رہا۔"

پھر اس نے ڈرتے ڈرتے عنبر کی گردن کو چھوڑ تو چونک کر بولا:

"یہ تو پتھر کا سر ہے زمان خان۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" زمان خان نے تعجب سے پوچھا۔

"آؤ۔ تم خود دیکھ لو۔"

دونوں چوکیدار اب عنبر کے سر کو زمین پر ہی ہاتھوں سے ادھر اُدھر ہلا کر دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے وہ کیل دیکھے جو ٹوٹ گئے تھے اور جن کی مدد سے عنبر کا سر اس کے دھڑ سے لگا دیا گیا تھا۔

"یہ تو کسی بت کا سر ہے زمان خان۔ مگر یہاں بت کہاں سے آ گیا؟"

زمان خان بولا:

"ہمیں تھانے میں جا کر پولیس کو خبر کرنا چاہیے۔"

"آؤ تھانے چلتے ہیں۔"

انھوں نے تھانے جا کر رپورٹ کی۔ پولیس موقع پر آ کر عنبر کا سر اٹھا کر لے گئی۔ عنبر اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے یہ ساری کارروائی دیکھتا رہا اور خاموش رہا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی

خیال بار بار آ رہا تھا کہ اس کا دھڑ کہاں پڑا ہو گا۔ اتنی لمبی زندگی میں اس کی ایسی حالت کبھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا سر کہیں پڑا ہو اور دھڑ کہیں غائب ہو۔ اسے خود اپنی حالت پر رحم آ گیا۔ پولیس نے رپورٹ میں لکھا کہ مقبرے کے باغ میں کسی بت کا ایک سر پایا گیا ہے جس کا مالک کوئی نہیں ہے اور کٹے ہوئے سر کی گردن میں کیل ٹھکے ہوئے ہیں۔ دن کے وقت اخبار کے ایک رپورٹر نے شاہدرہ تھانے والوں کو فون کر کے پوچھا:

"کیوں بھئی کوئی خبر ہے آپ کے پاس؟"

تھانے دار نے کہا:

"بھائی کوئی خبر نہیں۔ صرف ایک کٹا ہوا سر ملا ہے مقبرے کے قریب سے۔"

"ہائیں؟ کیا کہا؟ کٹا ہوا سر؟" رپورٹر نے حیرانی سے پوچھا:

تھانے دار نے مسکرا کر کہا:

"ہاں بھائی۔ مگر وہ پتھر کا ہے اور اس کی گردن میں کیل جڑے ہوئے ہیں۔"

رپورٹر ایک دم چونک اٹھا۔ کیوں کہ اسی نے اپنے اخبار میں عجائب گھر کے قدیم اور قیمتی بت کی چوری کی خبر چھاپی تھی۔ وہ سکوٹر پر بیٹھ کر بھاگا بھاگا تھانے آ گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بُت کے سر کو دیکھا تو فوراً پہچان گیا کہ یہ تو اسی عجائب گھر والے قیمتی بت کا سر ہے۔ اس نے ایک لمبی چوڑی خبر بنا کر اپنے اخبار میں چھاپ دی خبر کے چھپتے ہی شہر میں شور مچ گیا۔ عجائب گھر والے تھانے سے عنبر کا سر لے گئے۔ اب پولیس بھی چوکنی ہو گئی اور عنبر کے دھڑ کی تلاش شروع ہو گئی۔ پولیس نے مقبرے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر عنبر کا دھڑ نہ ملا۔

عنبر کا دھڑ سارا دن اور ساری رات تہہ خانے کے اندھیرے میں پڑا رہا۔ جس روز اخبار میں خبر چھپی عنبر کا دھڑ تہہ خانے سے باہر نکل آیا اور ایک طرف چلنے لگا۔ چونکہ دھڑ کا سر نہیں تھا اس لیے اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ رات کا وقت ہے کہ دن کا وقت ہے۔ عنبر کے دھڑ کی ٹانگوں نے دھوپ کی گرمی محسوس کی تو اسے احساس ہوا کہ دن کا وقت ہے اور اس نے تہہ خانے سے باہر نکل کر سخت غلطی کی ہے۔ وہ واپس گھوما مگر اب وہ راستے سے بھٹک گیا تھا۔ اسے مقبرے کی سیدھ کی کوئی خبر نہیں تھی جدھر اس کا رخ ہوا ادھر ہی کو کٹے ہوئے سر کے دھڑ نے چلنا شروع کر دیا۔ اتفاق ایسا تھا کہ کٹا ہوا دھڑ درختوں کے ایک ذخیرے میں سے گزر رہا تھا اور کئی

بار وہ درختوں سے ٹکرا کر گر پڑا تھا۔

عنبر کا دھڑ پریشان ہو گیا تھا۔ چونکہ اس کے پاس دماغ نہیں تھا اس لیے کچھ سوچ نہیں سکتا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ بس ایک چھٹی حس اسے ایک طرف کو لیے جا رہی تھی۔ وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ عنبر کے دھڑ کو اپنے پاؤں کے نیچے گیلی گیلی ریت محسوس ہو رہی تھی۔ ایک جگہ دریا کے کنارے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پک نک منا رہے تھے۔ انہوں نے ٹیپ ریکارڈر پر آلیویا نیوٹن جان کا امریکی گانا "فزیکل" لگا رکھا تھا۔ لڑکا گانے کی تیز دھن پر ڈانس کر رہا تھا۔ ڈانس کرتے کرتے اس کا منہ درختوں کے ذخیرے کی طرف ہوا تو جہاں کھڑا تھا وہیں بُت بن کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

لڑکی نے کہا:

"کیا ہوا خاور تم نے ڈانس کیوں بند کر دیا؟"

خاور کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اتنا کہا:

"بھ۔ بھ۔ بھ۔ بھوت!"

اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لڑکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب جو اس نے گردن گھما کر دیکھا کہ ٹاہلی کے درختوں کی طرف

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے ایک ایسا انسان چلا آ رہا ہے۔ جس کا سر غائب ہے تو وہ بھوت بھوت کہہ کر چیختی چلاتی ایک طرف بھاگ گئی۔

عنبر کے دھڑ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ نہ وہ کچھ دیکھ رہا تھا اور نہ اسے کسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بس جدھر اس کو اس کی زندہ ٹانگیں لیے جا رہی تھیں وہ چلا جا رہا تھا۔ ریت پاؤں کے نیچے زیادہ گیلی ہوتی گئی دریا دس پندرہ قدم کے فاصلے پر تھا۔ دھڑ پانی میں اتر گیا اور پھر دریا میں غائب ہو گیا۔ شام تک شہر کے بچے بچے کی زبان پر یہ بات تھی کہ دریا کے کنارے ایک سر کٹا بھوت پھرتا دیکھا گیا ہے دریا کی رونق ختم ہو گئی اور لوگ ادھر جاتے گھبرانے لگے۔ اخباروں میں پک نک منانے والی لڑکی اور لڑکے کے بیان چھپے۔ پولیس نے دھڑ کی تلاش شروع کر دی عجائب گھر والوں کو یقین تھا کہ یہ اسی بت کا دھڑ ہے جس کا سر انہیں مل گیا ہے مگر وہ اس بات پر حیران تھے کہ پتھر کے دھڑ میں جان کیسے پڑ گئی ہے اور وہ چل کیسے رہا ہے؟

پتھر کے سانپ میں جان پڑ گئی

امجد نے بھی یہ خبر پڑھ لی تھی کہ عنبر کا سر مل گیا ہے اور دھڑ کی تلاش جاری ہے۔

عنبر کے سر کو دوبارہ عجائب گھر میں شیشے کی نئی الماری میں لا کر رکھ دیا گیا۔ اب اس کے دھڑ کی تلاش زور شور سے ہو رہی تھی۔ پولیس نے دریائے راوی کے کنارے چپہ چپہ چھان مارا مگر اسے کہیں بھی سر کٹا بھوت دکھائی نہ دیا۔ امجد عجائب گھر میں عنبر کے سر والی الماری کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور سر کو غمگین نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"انکل عنبر! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ خدا کے لیے مجھے بتائیں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں کاش کہیں سے انکل ناگ اور ماریا آنٹی آ جاتے شاید وہ آپ کی کوئی مدد کر سکتے۔"

عنبر کے کان میں امجد کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر اسے جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ امجد سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہو، قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے کبھی کبھی ہو کر رہتا ہے۔ امجد تھوڑی دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد آنکھوں میں آنسو لیے واپس چلا گیا۔ عنبر ناگ ماریا کے ساتھ کچھ عرصہ سفر میں گزارنے کے بعد امجد نے بھی یہ بات خاص طور پر سیکھ لی تھی کہ اپنے دل کا راز کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے اور راز کو دل میں راز بنا کر رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ امجد نے عنبر کے کٹے سر کا ذکر اپنے ماں باپ سے بالکل نہیں کیا تھا۔

ادھر جب رات ہو گئی۔ عجائب گھر بند کر دیا گیا۔ باہر پہرہ لگ گیا اور مال روڈ گہری تاریکی اور خاموشی میں ڈوب گئی تو عنبر کے سر نے دیکھا کہ سامنے والا دیوتا کا بُت اپنے چبوترے پر اسی طرح خاموش کھڑا ہے۔ عنبر نے اس سے مخاطب ہو کر اپنے دل میں کہا:

"میرے دوست دیوتا! کیا تم میرے کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر حیران نہیں ہوئے ہو؟"

بُت نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"عنبر! میرے دوست! مجھے حیرانی نہیں ہو رہی بلکہ صدمہ ہوا ہے اور میں صبح سے یہی سوچ رہا ہوں کہ

تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ کیوں کہ اب تو تمہارے دھڑ کو تلاش کرنے کا بھی سوال بڑا ضروری ہے نہ جانے تمہارا دھڑ اس وقت کہاں ہو گا۔ تم نے آخری بار اپنے دھڑ کو کہاں چھوڑا تھا"۔

عنبر کے سر نے جواب دیا:

"میں آخری بار اپنے دھڑ سے مقبرہ جہانگیر کے باغ میں جدا ہوا تھا"۔

دیوتا کا بت خاموش ہو گیا پھر بولا:

"میں تھوڑی دیر کے لیے مراقبے میں جا رہا ہوں جب تک میں آنکھیں نہ کھولوں مجھے آواز نہ دینا۔ مجھے یقین ہے کہ مراقبے میں جا کر میں تمہارے لیے کوئی ایسی ترکیب ضرور معلوم کر لوں گا جو تمہیں دوبارا زندہ کر دے"۔

اتنا کہہ کر دیوتا کا بُت خاموش ہو گیا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عنبر کی نظریں عجائب گھر کے ہال کمرے کی ہلکی ہلکی روشنی میں دیوتا کے بت کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اچانک دیکھا کہ بُت کے اندر سے اسی طرح کا ایک اور بُت سر کے اوپر سے باہر نکل آیا۔ وہ روشنی کی ایک باریک لکیر کے ساتھ پہلے

والے بت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ یہ اندر سے نکلنے والا بت حرکت کر رہا تھا اور ادھر اُدھر آسانی سے چل پھر سکتا تھا۔ یہ بت بلند ہوتے ہوتے چھت کے ساتھ جا لگا اور پھر اس کے اندر سے باہر نکل گیا۔ عنبر کو اب حرکت کرنے والا بت نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے سامنے وہی پرانا بت آنکھیں بند کئے خاموش کھڑا تھا اور اس کا ہم راز بت چھت میں سے باہر نکل کر باہر کھلی فضا میں کہیں کا کہیں پہنچ گیا تھا۔ عنبر کو بُت کے ساتھ بندھی ہوئی روشنی کی ایک پتلی سی لکیر صاف دکھائی دے رہی تھی جو اوپر چھت تک چلی گئی تھی اور اب اتنی باریک اور پتلی ہو گئی تھی کہ عنبر کو بڑی مشکل سے دکھائی دے رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ بت کا ہم راز وہاں سے ہزاروں میل دور نکل چکا ہے۔ عنبر دل میں خدا کے حضور دعا مانگنے لگا کہ اے رب العالمین تو میری مدد کر مجھے ان بتوں پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ میرا بھروسہ صرف تم پر ہے۔ تو اپنے خاص کرم سے کوئی سبب بنا دے اور اس بت کے ہم زاد کی مدد فرما کہ یہ میرے کام آ سکے۔

اس وقت دیوتا بت کا ہم زاد بُت ہمالیہ کے پہاڑوں

کی برف پوش چوٹیوں کے اوپر سے گذر رہا تھا۔ وہ ہوا میں اڑتا چلا جا رہا تھا۔ پھر وہ ایک بلند ترین چوٹی پر اتر گیا۔ یہاں چاروں طرف برف ہی برف تھی اور ایسی خاموشی چھائی تھی کہ پہاڑوں پر سفید قبروں کا گمان ہو رہا تھا۔ ایک طرف پہاڑی میں چھوٹا سا غار بنا ہوا تھا۔ ہم زاد بت اس غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر درمیان میں آگ جل رہی تھی اور ایک سفید ڈاڑھی، سفید پلکوں، سفید بھنوؤں والا بوڑھا ضعیف آدمی بدن پر راکھ ملے آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اور اس کے سر کے بالوں میں پہاڑی چڑیا نے گھونسلہ بنا کر انڈے دے رکھے تھے خدا جانے یہ بوڑھا فقیر کب سے خاموش بیٹھا تھا کہ چڑیا نے گھونسلہ بھی بنا لیا اور انڈے بھی دیئے اور بچے بھی بڑے ہو گئے۔ یہ بوڑھا فقیر خدا کی یاد میں مگن رہا اور ذرا اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

ہم زاد بت اس کے سامنے پہنچ کر جھک گیا پھر آگ کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر سینے کے ساتھ لگا لیے۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ دونوں کی آنکھیں بند تھیں۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ دونوں میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے کوئی ایک نہ بولا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر ایک دا... پر نگاہ نہ ڈالی۔ سفید بالوں والے فقیر کے سر کے گھ... میں چڑیا کے بچے کسی وقت چوں چوں کرنے لگتے اور چڑیا ان کے لیے خوراک تلاش کرنے باہر نکل جا... باہر سے کوئی دانہ دُنکا کہیں سے تلاش کر کے لاتی۔ اپ... بچوں کے منہ میں ڈالتی اور وہ خاموش ہو جاتے۔

جب اسی طرح پوری رات گزر گئی اور دن کا اجالا پھو... لگا تو اچانک سفید بالوں والے بزرگ فقیر نے اپنی آنکھ... کھول دیں۔ اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا سرخ تھا اور ان میں سے مقناطیسی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ہم زاد بت نے بھی آنکھیں کھول دیں مگر وہ بوڑھے بزرگ سے آنکھ... نہ ملا سکا اور اس نے اپنی آنکھیں جھکا دیں پھر بوڑھے فقیر کے دماغ سے آواز کی ایک روشن لکیر نکل کر ہم زاد بت کے سینے میں داخل ہونے لگی۔ آواز کی اس لکیر کی کوئی آواز نہیں تھی۔ بس روشنی کی ایک لائین تھی جو ہم زاد بت کے دل میں اتر کر اسے کچھ سمجھا رہی تھی۔ کچھ بتا رہی تھی جب یہ لکیر بجھ گئی تو ہم زاد بت بڑے ادب سے اٹھا ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر بزرگ فقیر کو سلام کیا اور ہوا میں تیرتا ہوا غار سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ اوپر اُٹھتے اُٹھتے

پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں سے بھی بلند ہو گیا اور بجلی کی تیزی کے ساتھ ہوا میں سفر کرتے ہوئے واپس لاہور کے عجائب گھر کی طرف چل پڑا۔

عنبر کھلی آنکھوں سے دیوتا کے بت کو دیکھے جا رہا تھا۔ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نہیں پھیلی تھی اور عجائب گھر کے ہال میں پھیکا پھیکا اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ عنبر نے دیکھا کہ دیوتا بت کے سر میں سے نکلتی ہوئی روشنی کی لکیر موٹی ہو رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ بت کا ہم زاد واپس آ رہا ہے۔ اتنے میں چھت میں سے ہم زاد نیچے نکل آیا اور بت کے سر میں جس طرح نکلا تھا اسی طرح دوبارا داخل ہو گیا۔

دیوتا بت نے آنکھیں کھول دیں اور عنبر کی طرف دیکھا عنبر نے پوچھا:

"میرے دوست! کیا تمہیں کوئی ترکیب معلوم ہوئی؟"

دیوتا بت نے کہا:

"عنبر! میرے گورو نے تمہیں پھر سے زندہ کرنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔"

"کون سا طریقہ ہے وہ؟" عنبر نے پوچھا:

دیوتا بت نے جب عنبر کو وہ ساری ترکیب اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

طریقہ بتایا تو عنبر اداس ہو گیا۔ کہنے لگا۔

"میرا سر یہاں عجائب گھر کی الماری میں پڑا ہے دھڑ خدا جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ میں یہ سب کچھ کیسے کر سکتا ہوں۔"

دیوتا بت بولا:

"میرے گورو نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا دھڑ اس وقت دریائے راوی کے پل کے عین نیچے دریا کی تہہ میں ریت میں لیٹا ہوا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن میں اسے کیسے نکال سکتا ہوں؟"

دیوتا بت بولا:

"جو لڑکا تم سے ملنے آتا ہے یہ سارا کام وہ کر سکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب امجد سے ہے؟" عنبر نے کہا:

"ہاں" دیوتا بت نے جواب دیا:

"وہ اگر چاہے تو اس وقت تمہارے کام آ سکتا ہے۔ میں اپنے گلے کا سانپ اسے دے دوں گا۔ میرا سانپ اس کی مدد کرے گا۔"

عنبر بولا:

"مگر امجد کو جا کر کون کرے گا۔"

دیوتا بت نے کہا:

"یہ کام میں کر لوں گا۔"

"وہ کیسے؟ تم تو یہاں خود پتھر بن کر کھڑے ہو۔"

بت نے کہا:

"جس طرح میں یہاں سے نکل کر کوہ ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر گیا تھا اسی طرح میں امجد کے پاس بھی چلا جاؤں گا۔ میں اس کے خواب میں آ کر اسے ساری بات سمجھا دوں گا۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہیں اس کے بنگلے کا پتہ ہے؟"

دیوتا بت مسکرایا:

"میرا ہم زاد سب کچھ جانتا ہے۔ میں آج ہی رات امجد کے خواب میں آؤں گا۔"

اس روز بڑے زور کی بارش ہوئی۔ شہر میں جگہ جگہ پانی کے تالاب لگ گئے۔ امجد کا ارادہ تھا کہ وہ عجائب گھر میں جا کر عنبر کے سر سے ملاقات کرے گا مگر بارش کی وجہ سے باہر نہ نکل سکا۔ شام کو دوبارہ بارش شروع ہو گئی اور امجد گھر پر ہی رہا۔ رات کو کھانا کھا کر وہ بستر پر لیٹ گیا اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر ناگ ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وگرنہ وہ اڑ کر ماریا اور ناگ کے پاس پہنچ جاتا اور اسے عنبر کی حالت سے آگاہ کرتا یہی سوچتے سوچتے امجد کی آنکھ لگ گئی۔ پھر اُسے خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک خوب صورت باغ میں سے گزر رہا ہے جہاں شفاف پانی کی لہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ایک جھونپڑی کے پاس آ گیا جس کی چھت پر پھولوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی اور باہر ایک سادھو آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ امجد اس کے قریب گیا تو سادھو نے آنکھیں کھول دیں اور امجد کو مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"بیٹھ جاؤ بیٹا۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

امجد بیٹھ گیا اور بولا:

"بابا! میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

یہ سادھو لاہور کے عجائب گھر والا دیوتا بت تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"تم نے مجھے عنبر کے کٹے ہوئے سر والی الماری کے سامنے چبوترے پر کھڑے دیکھا ہوگا۔"

امجد نے جھٹ کہا:

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ آپ وہی عجائب گھر والا بت ہیں نا؟"

"ہاں بیٹا امجد! میں وہی ہوں۔"

"آپ کو میرا نام بھی معلوم ہے؟"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مگر میں اس وقت ایک بڑا ضروری کام لے کر تمہارے خواب میں آیا ہوں میری بات غور سے سنو۔ تم کو تو معلوم ہی ہے کہ تمہارا انکل عنبر اس وقت اپنی زندگی کی سب سے انوکھی اور دردناک مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ اگر تم چاہو تو اسے اس مشکل سے اس مصیبت سے نکال سکتے ہو۔"

امجد نے کہا:

"بابا! آپ مجھے بتائیں کہ میں انکل عنبر کی مصیبت کیسے دور کر سکتا ہوں۔ میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔"

دیوتا بت نے کہا:

"بیٹا! یہاں لاہور شہر سے دور شمال کی پہاڑیوں میں کاغان کی وادی میں ایک جھیل ہے جس کا نام سیف الملوک ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ہاں بابا! میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس جھیل پر ایک دفعہ گیا تھا۔"

"میری بات خاموشی سے سنو بیٹا۔"

"جی سن رہا ہوں۔" امجد یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔

دیوتا بت بولا:

"اس جھیل میں جنوب کی طرف ایک اندھیرا غار ہے اس غار میں آدھی رات کے بعد ایک بد روح نمودار ہو کر گانا گاتی ہے۔ جس انسان کے کان میں اس بدروح کے گانے کی آواز پڑتی ہے وہ مر جاتا ہے لیکن ایسا انسان جس کی جیب میں کوئی سانپ ہو اس پر بدروح کے گانے کا اثر نہیں ہوتا۔ گانا گانے کے بعد وہ بدروح اپنے سر کا ایک بال نکال کر اسے آگ میں جلاتی ہے اور اس کی راکھ ہوا میں اچھال دیتی ہے۔ راکھ کے اچھلتے ہی غار میں ایک اژدہا نمودار ہوتا ہے جو پھنکارتا ہوا آتا ہے اور اس کے منہ سے جھاگ کا ایک چھوٹا سا گولا نیچے گرتا ہے۔ پھر وہ بدروح اس اژدہا کے سر پر بیٹھ کر غائب ہو جاتی ہے۔ اژدہا کے منہ سے گرا ہوا جھاگ کا گولہ زمین پر گرتے ہی چھوٹا ہوتا

شروع ہو جاتا ہے۔ اگر اسے کوئی اٹھا لے تو وہ سفید پتھر میں بدل جاتا ہے اور ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس غار میں جاؤ اور اژدہے کی جھاگ کا سفید پتھر اٹھا کر لے آؤ۔ جب تم اس سفید پتھر کو عنبر کے جسم سے چھوؤ گے تو وہ زندہ ہو جائے گا اور اس کا کٹا ہوا سر اس کے دھڑ پر لگا کر اس کی گردن کے ساتھ چھوؤ گے تو اس کی گردن جڑ کر اصلی حالت میں آ جائے گی اور عنبر دوبارا انسان بن جائے گا کیا تم یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو امجد؟"

امجد نے کہا:

"میں انکل عنبر کی زندگی کے لیے یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہوں۔ مگر میرے پاس سانپ کہاں سے آئے گا؟ اور اگر سانپ مل بھی گیا تو کیا وہ مجھے ڈس کر ہلاک نہیں کر دے گا؟"

دیوتا بت نے کہا:

"میں اپنی گردن کا سانپ تمہیں دے دوں گا۔ یہ سانپ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ جب تم اسے اپنی جیب میں رکھ لو گے تو تم پر بدروح کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گانے کا بالکل اثر نہیں ہو گا۔ صبح تم عجائب گھر میں
آنا میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

اس کے بعد امجد کی آنکھ کھل گئی۔ اسے خواب کی باتیں بالکل ایسے لگ رہی تھیں جیسے حقیقت ہوں اور خواب کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ دوسری طرف دیوتا بت کا ہم زاد امجد کے خواب سے واپس اپنے عجائب گھر والے جسم میں آ گیا اور اس نے عنبر کو سب کچھ بتا دیا۔

صبح ہوئی تو لوگ عجائب گھر دیکھنے آنا شروع ہو گئے۔ عنبر کی نگاہیں امجد کو تلاش کر رہی تھیں۔ اتنے میں اسے امجد ہال کمرے میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ دیوتا بت کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت ہال کمرے میں دو تین آدمی کھڑے چیزیں دیکھ رہے تھے۔ جب وہ دوسرے کمرے میں چلے گئے تو دیوتا بت نے آنکھیں کھول دیں اور امجد سے کہا:

"امجد! میں تمہیں اپنے گلے کا سانپ دینے لگا ہوں۔ اس سے ڈرنا بالکل نہیں۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

عنبر یہ سب کچھ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا امجد بھی دیوتا بت کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ اچانک دیوتا

بت کے گلے سے لپٹے ہوئے پتھر کے سانپ میں جان پڑ گئی اور وہ بت کی گردن سے اتر کر رینگتا ہوا امجد کے پاس آ گیا۔

دیوتا بت نے کہا:

"بے خوف ہو کر اس سانپ کو اٹھا کر اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لو امجد۔"

پہلے تو امجد ڈرا۔ مگر عنبر ناگ ماریا کے ساتھ سفر کرنے کی وجہ سے وہ بھی کچھ بے خوف ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو پکڑ لیا اور جیب میں رکھ لیا۔ سانپ نے اسے کچھ نہ کہا:

"شاباش!" دیوتا بت نے کہا:

"اب تم یہاں سے سیدھا اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ اور جو کچھ میں نے تمہیں خواب میں سمجھایا تھا ویسے ہی کرنا اب چلے جاؤ۔ لوگ ادھر آ رہے ہیں۔"

امجد نے عنبر کی طرف دیکھ کر اسے سلام کیا اور ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔ دو چار آدمی ہال میں داخل ہوئے کوئی عنبر کے کٹے ہوئے سر کو اور کوئی دیوتا بت کو دیکھنے لگا۔ اچانک پہرے دار کی نگاہ دیوتا بت کی گردن پر پڑی۔ وہ حیران ہو کر بولا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اس بت کا سانپ کہاں چلا گیا؟"
اس نے بھاگ کر عجائب گھر کے کیوریٹر کو اطلاع کی۔ کیوریٹر یعنی سپرنٹنڈنٹ نے پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس فوراً وہاں پہنچ گئی۔ بت کی گردن خالی تھی۔ انسپکٹر پولیس بھی حیران تھا کہ پتھر کا سانپ بت کی گردن سے کوئی بھی نہیں اتار سکتا۔ کسی نے اسے توڑا بھی نہیں۔ پھر سانپ کہاں چلا گیا؟ پولیس نے رپورٹ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔

امجد نے اپنے ابو امی سے یہ کہہ کر اجازت لے لی کہ وہ اپنے چند ایک دوستوں کے ساتھ ہفتے کے لیے سیر کرنے کو مری جا رہا ہے۔ اس نے اپنے بچا کر رکھے ہوئے جیب خرچ میں سے دو سو روپے نکالے۔ دو سو روپے اس کے ابو نے دیئے اور وہ ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کو سفر کرتے ہوئے وہ صبح راولپنڈی پہنچ گیا۔ وہاں سے ایبٹ آباد گیا اور ایبٹ آباد سے وادی کاغان کی طرف چل پڑا۔

دیوتا بت کا دیا ہوا سانپ امجد کی پتلون کی جیب میں تھا۔ پہاڑوں میں جا کر بس ایک جگہ رکی تو امجد بس سے اتر کر ایک درخت کے پیچھے چلا گیا اور سانپ کو جیب سے نکال کر اسے گھاس پر تازہ ہوا میں رکھ دیا۔ سانپ کنڈلی

مار کر بیٹھ گیا اور اپنی لال لال آنکھوں سے امجد کو دیکھنے لگا۔ امجد کو ناگ یاد آ گیا۔ ناگ جب سانپ کی شکل اختیار کرتا تھا تو بالکل ایسا ہی نظر آتا تھا۔ اتفاق سے بس کے ایک مسافر نے امجد کے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے سانپ کو دیکھ لیا اور شور مچا دیا:

"سانپ سانپ۔"

لوگ پتھر لے کر ادھر آ گئے۔ امجد نے پریشان ہو کر سانپ کو اٹھا لیا اور کہا:

"یہ میرا پالتو سانپ ہے۔ یہ کسی کو کچھ نہیں کہے گا۔"

مسافر سانپ کو امجد کی کلائی کے گرد لپٹا دیکھ کر اور زیادہ حیران ہو گئے۔ اب کوئی مسافر امجد کو دوبارہ بس میں بٹھانے پر تیار نہیں تھا۔ ڈرائیور نے امجد کو اس کے ٹکٹ کے باقی پیسے واپس کر دیئے اور کہا:

"اوئے منڈیا! مجھے اپنے مسافر نہیں مروانے سانپ لے کر اکیلے ہی سفر کرو اب۔"

اور وہ بس لے کر آگے روانہ ہو گیا۔

امجد حیران پریشان وہیں کھڑا رہ گیا۔ اب وہ دوسری بس کا انتظار کرنے لگا۔ شام ہو رہی تھی اور جھیل سیف الملوک ابھی پچاس میل کے فاصلے پر تھی۔ آخر خدا خدا کر کے ایک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بس آئی اور امجد اس میں سوار ہو گیا۔ سورج غروب ہو گیا تھا جب وہ جھیل سیف الملوک کے قریب سے گذرنے والی ایک چھوٹی سڑک پر پہنچا۔ یہاں سے جھیل تک راستہ پیدل جاتا تھا۔ امجد نے ایک تندور پر بیٹھ کر روٹی کھائی اور چھوٹی سی پہاڑی پگ ڈنڈی پر پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ یہ بڑی خطرناک پگ ڈنڈی تھی اور اس کی ایک طرف نیچے کافی گہری کھڈ تھی۔ امجد نے سانپ کو جیب سے نکال کر اپنی گردن میں لٹکا لیا تھا۔ سانپ نے اپنا پھن اٹھا رکھا تھا۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ امجد نے روئی دار گرم جیکٹ اور سر پر گرم اونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ آسمان پر رات کے اندھیرے کے سائے پھیلتے جا رہے تھے اور ستارے نکل آئے تھے۔ ان ستاروں کی دھیمی روشنی میں ارد گرد اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید برف صاف نظر آ رہی تھی۔ رات کے دس بج رہے تھے جب امجد جھیل سیف الملوک کے کنارے پہنچ گیا۔ جھیل کے جنوب میں تلاش کرتے کرتے اسے ایک اندھیرا غار مل گیا۔

وہ غار میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ سانپ کو اس نے اپنی جیکٹ کی جیب میں چھپا رکھا تھا۔ امجد نے گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ بدروح کے آنے

میں ابھی آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ غار میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا اور کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ امجد کو خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔ مگر یہ انکل عنبر کی زندگی کا سوال تھا۔ اس خیال سے امجد کو طاقت مل رہی تھی اور اس نے بڑا حوصلہ کیا ہوا تھا۔

آدھی رات گذرنے کے بعد امجد نے غار میں پھیکی پھیکی روشنی کا ایک غبار سا نمودار ہوتا دیکھا۔ وہ چوکس ہو کر بیٹھ گیا اور پتھروں کے پیچھے اپنے آپ کو اور اچھی طرح سے چھپا لیا اور آنکھیں کھول کر اس روشنی کے غبار کو تکنے لگا۔ اتنے میں امجد نے ایک عجیب قسم کی شکل کو غار میں آتے دیکھا۔ یہ کسی عورت کی شکل تھی جس کے بال کھلے تھے اور سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا۔ وہ ایک انوکھی قسم کا گانا گا رہی تھی۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی عورت دور کسی قبرستان میں بیٹھی رو رہی ہو۔ اس آواز میں ایک دہشت ایک کشش اور ایک جادو تھا۔

امجد نے محسوس کیا کہ اس آواز کا سانپ پر بھی اثر ہو رہا ہے اور وہ اس کی جیکٹ کی جیب میں بے چین ہو کر گول گول گھومنے لگا ہے۔ خود امجد کا سر چکرانے لگا تھا مگر اسے یقین تھا کہ سانپ کی وجہ سے اس پر اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بدروح کے گانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ بدروح گانا گاتی غار کے درمیان میں آکر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے اپنے لمبے بالوں میں سے ایک بال اکھاڑ کر منہ سے اسے پھونک ماری۔ بال کو آگ لگ گئی جب بال اس کی ہتھیلی میں پڑے پڑے جل کر راکھ ہوگیا تو بدروح نے اس کی راکھ کو ایک چیخ مار کر ہوا میں اچھال دیا۔ اس دہشت ناک چیخ سے امجد بھی کانپ اُٹھا۔ چیخ کی آواز کے ساتھ ہی غار میں ایک زبردست پھنکار سنائی دی اور پھر امجد نے ایک بہت بڑے اژدھا کو دیکھا جس نے اپنا پانچ سیر کا بھاری سر اٹھا رکھا تھا اور کھلے منہ میں سے سرخ دو شاخوں والی زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔

اژدہے نے بدروح کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے بدروح ایک دم سے اژدہے کے سر پر سوار ہوگئی۔ اژدہے نے بڑی زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ سے سفید جھاگ کا چھوٹا سا گولہ زمین پر گر پڑا۔ اسی سفید گولے کے لیے امجد اس غار میں آیا تھا۔ بدروح نے ایک ہاتھ فضا میں لہرا کر دوسری بار زور سے چیخ بلند کی اور اژدہا اسے لے کر غار میں سے باہر نکل گیا۔

بدروح اور اژدہے کے جاتے ہی امجد چھلانگ لگا کر

اس جگہ آ گیا جہاں اژدہا نے جھاگ کا گولہ پھینکا تھا۔ یہ جھاگ کا گولا چھوٹا ہو رہا تھا اور اس وقت چھوٹا ہوتے ہوئے بالکل ایک چھوٹی خوبانی جتنا رہ گیا تھا۔ امجد نے فوراً اسے اٹھا لیا۔ امجد کے ہاتھ میں آ کر جھاگ کا گولہ سفید پتھر میں تبدیل ہو گیا۔ امجد نے اسے جیکٹ کی اندرونی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا اور غار سے باہر نکل آیا۔

باہر رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اتنی گہری خاموشی تھی کہ کسی پتے کے ہلنے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ سردی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ امجد کو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں بدروح اور اژدہا کا سامنا نہ ہو جائے۔ وہ جھیل کے کنارے سے ہٹ کر چیڑ کے درختوں کے نیچے سے گزرنے والی پگ ڈنڈی پر آ گیا۔ یہ پگ ڈنڈی جھیل سے دور ٹیلے کے دامن میں واقع ایک چھوٹے سے پہاڑی گاؤں کو جاتی تھی۔ امجد جب اس گاؤں میں پہنچا تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ایک کتا زور سے بھونکا۔ امجد وہیں رک گیا۔ کتا بھونکتا ہوا امجد کی طرف لپکا۔ یہ بڑا خونخوار کتا تھا۔ اور چیتے جتنا بڑا تھا۔

امجد ڈر کر درخت کے پیچھے ہو گیا مگر کتا غصے کی حالت میں بھونکتا ہوا امجد کی طرف آیا اور اس پر حملہ کر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیا۔ امجد اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ کتا اپنے حملے کے زور میں کچھ دور آگے تک نکل گیا پھر وہاں سے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے دوڑتا اور بھونکتا ہوا امجد کی طرف آیا۔ اتنے عرصے میں امجد کی جیکٹ سے سانپ باہر نکل آیا تھا۔ سانپ نے امجد کی جیب سے نکلتے ہی چھلانگ لگائی اور کتے کے سر کے ساتھ چمٹ گیا۔ کتا پریشان ہو کر اچھلا۔ اپنے سر پر لپٹے سانپ کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور سر کو زور سے جھٹکنے لگا مگر سانپ نے اپنا کام کر دیا تھا۔ کتا تڑپ کر زمین پر گرا اور ٹانگیں چلانے لگا۔ لیکن سانپ کے زہر نے اسے زیادہ دیر ٹانگیں چلانے کی مہلت نہ دی اور وہ مر گیا۔

امجد نے سانپ کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی۔ کتے کے زور زور سے بھونکنے کی آوازیں سن کر گاؤں کا چوکیدار آ گیا۔ اس نے ایک نوجوان لڑکے کو آتے دیکھا تو پوچھا:

"کیا بات ہوئی تھی؟ تم کون ہو؟"

امجد نے اسے بتایا کہ وہ لاہور کے کالج کا سٹوڈنٹ ہے اور سیر کرنے وہاں آیا تھا کہ رات ہو گئی اور اب گاؤں رات گزارنے کے خیال سے آ رہا تھا کہ کتے نے حملہ کر دیا۔

چوکیدار نے کہا:

"کوئی بات نہیں۔ تم میری جھونپڑی میں جا کر آرام کر سکتے ہو۔"

امجد نے رات چوکیدار کی جھونپڑی میں بسر کی اور صبح اس سے اجازت لے کر اور اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے ایبٹ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اگلے دن شام کے سات بجے لاہور پہنچا۔ عجائب گھر بند ہو چکا تھا۔ سب سے زیادہ مشکل کام عنبر کے دھڑ کو راوی کے پل کے نیچے دریا سے باہر نکالنے کا تھا جو اکیلا امجد نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے دیوتا بت سے ملاقات کرنا چاہتا تھا اور اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اژدہا کی سفید جھاگ کا منکا لے آیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ عجائب گھر کے اندر کیسے داخل ہو۔ عجائب گھر کا ایک ہی دروازہ تھا اور وہ بند ہو چکا تھا۔ باہر چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ امجد نے سوچا کہ اگر وہ اپنے گھر چلا گیا تو پھر وہاں سے رات کو باہر نہ نکل سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ اسی جگہ ٹھہر کر رات ہونے کا انتظار کرے اور صبح اپنے گھر جائے۔

امجد یونیورسٹی کے باغ میں آ کر بیٹھ گیا۔ سانپ کو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تازہ ہوا لگوانے کے لیے اس نے جیب سے نکال کر گھاس پر چھوڑ دیا۔ سانپ گھاس میں ادھر اُدھر چلنے پھرنے لگا۔ امجد نے عجائب گھر کے روشن دان میں سے اندر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اگرچہ یہ بڑا مشکل کام تھا اور اس کے گر پڑنے اور زخمی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی اور مال روڈ پر بہت کم لوگ آ جا رہے تھے۔ امجد نے سانپ کو پکڑ کر جیب میں رکھنا چاہا تو وہ عجائب گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ امجد پریشان ہو کر اس کے پیچھے بھاگا۔ سانپ آگے آگے بڑی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ امجد اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ سانپ عجائب گھر کے بڑے دروازے پر آ گیا۔

یہاں چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے سانپ کو دیکھا تو لاٹھی کا وار کیا مگر سانپ نے زور سے پھنکار ماری۔ چوکیدار کے ہاتھ سے لاٹھی گر پڑی اور وہ بے ہوش ہو کر ایک طرف کو لڑھک گیا۔ سانپ بڑے دروازے کے سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ امجد نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہاں اندھیرے میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے دروازے کی چٹخنی کھولی اور عجائب گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

عجائب گھر کے ہال کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ امجد تیزی سے چلتا ہوا دیوتا کے بُت کے پاس آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سانپ دیوتا بت کی گردن میں پتھر بن کر لٹکا ہوا ہے۔ عنبر کا سر اسی طرح شیشے کی الماری میں رکھا ہوا تھا۔ عنبر نے بھی امجد کو دیکھ لیا تھا۔ دیوتا بُت نے آنکھیں کھول دیں امجد کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"تم کامیاب ہو کر لوٹے ہو۔ میں جانتا ہوں میرے سانپ نے اس جگہ آنے میں بھی تمہاری مدد کی ہے۔"

امجد نے جیب سے اژدہا کا سفید منکا نکال کر دیوتا بت کو دکھایا۔

"میں سفید منکا لے آیا ہوں۔"

"تم نے عنبر کے لیے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

امجد بولا:

"لیکن میں انکل عنبر کا دھڑ راوی دریا کی تہہ سے کیسے نکالوں گا؟"

دیوتا بت نے مسکراتے ہوئے کہا:

"قدرت تمہارا ساتھ دے رہی ہے تم عنبر کے سر کو زندہ کر کے دریا پر لے جاؤ جب تم وہاں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہنچو گے تو تمہارا مسئلہ حل ہو چکا ہو گا۔ دیر نہ کرو چوکیدار کو ہوش آنے ہی والا ہے۔"

امجد نے عنبر کی الماری کا شیشہ توڑ ڈالا اور سفید منکا اس کے کٹے ہوئے سر کے ہونٹوں سے لگایا۔ منکے کا لگنا تھا کہ عنبر کے سر میں جان پڑ گئی۔ اس کی آنکھیں حرکت کرنے لگیں۔ ہونٹ ہلے اور عنبر نے مسکرا کر امجد سے کہا:

"امجد! تم نے خدا کے حکم سے مجھے دوبارا زندگی دی ہے۔ تمہارا یہ احسان میں ساری زندگی نہ بھلا سکوں گا۔"

امجد نے خوش ہو کر کہا:

"انکل عنبر! خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایک بار پھر آپ کی آواز سُنی۔"

دیوتا بت نے کہا:

"امجد! عنبر کے سر کو اپنی جیکٹ میں چھپا کر جتنی جلدی ہو سکتی ہے دریا پر لے جاؤ اگر دن نکل آیا تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

امجد نے عنبر کے سر کو الماری میں سے نکال کر اپنی جیکٹ اتار کر اس میں لپیٹا اور بغل میں دبا کر عجائب گھر سے باہر آ کر دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے گیارہ

بجے تھے اور بازاروں میں ابھی لوگ چل پھر رہے تھے۔ امجد نے ایک رکشا کرایہ اور دریا کے پل پر آ کر اسے چھوڑ دیا۔ وہ پل کے نیچے آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ پل کے نیچے دریا کا پانی اتر چکا تھا۔ وہ ریت پر آگے بڑھا تو اسے ایک جگہ پل کی دیوار کے ساتھ عنبر کا دھڑ دکھائی دیا۔ جو سیدھا ریت پر پڑا تھا۔ امجد نے عنبر کا سر جیکٹ سے نکالا اور کہا:

"انکل کیا میں آپ کا سر آپ کے دھڑ کے ساتھ لگا دوں؟"

عنبر کے سر نے کہا:

"ہاں امجد — سر دھڑ کے ساتھ لگا کر میری گردن کے جوڑ کے نشان پر اس منکے کو رگڑنا۔"

امجد نے عنبر کے سر کو دھڑ کے ساتھ لگا دیا۔ پھر سفید منکے کو اللہ کا نام لے کر آہستہ سے رگڑا تو عنبر کے سارے جسم میں جان پڑ گئی اور اس کی گردن دھڑ کے ساتھ اس طرح جڑ گئی جیسے کبھی علیحدہ نہیں ہوئی تھی۔

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"امجد! خدا کا شکر ہے کہ میں پھر زندہ ہو گیا مگر میرے کپڑے ریت میں بھرے ہوئے ہیں میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

غسل کرنا چاہتا ہوں۔"

اور عنبر نے دریا کے پانی میں اچھی طرح سے غسل کیا۔ کپڑوں کو دھو کر اچھی طرح سے نچوڑ کر دوبارا پہن لیا کہ ہوا میں اپنے آپ خشک ہو جائیں گے۔ پھر وہ دونوں دریا کے پُل کے نیچے بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ عنبر نے امجد کو بتایا کہ دیوی موشنک نے اس سے کیسے بدلہ لیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس نے امجد کا شکریہ بھی ادا کیا کہ اس نے اپنے انکل کے لیے اتنی مصیبت اٹھائی۔ امجد نے کہا کہ یہ تو اس کا فرض تھا۔ پھر وہ ناگ اور ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کی باتیں کرنے لگے۔ عنبر بولا:

"مجھے دوبارا زندگی مل گئی ہے۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد ناگ اور ماریا سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ چلو۔ تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔"

"اور آپ کہاں جائیں گے انکل؟" امجد نے پوچھا۔

"میں اسی مقبرہ جہانگیر میں تمہیں ملوں گا۔"

○

اژدہے کا پُراسرار منکہ

دریا کے پل پر ایک رکشا رُک گیا۔

امجد نے رکشا والے سے کہا:

"گارڈن ٹاؤن چلنا ہے کتنے پیسے لو گے؟"

رکشا والا بولا:

"جتنے پیسے میٹر بنائے گا دے دینا۔"

عنبر نے کہا:

"تمہارا میٹر ٹھیک ہے نا؟"

رکشا ڈرائیور غصے سے بولا:

"اور کیا ہم کوئی چور ڈاکو ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"چلو امجد بیٹھو، میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

پھر اس نے رکشا ڈرائیور سے کہا:

"بھائی مجھے واپس اسی جگہ چھوڑ دو گے؟"

"چھوڑ دوں گا مگر واپسی کے پچاس روپے لوں گا۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر بولا:

"تمہارا جو حق بنے گا لے لینا۔"

رکشا ڈرائیور ہنس کر کہنے لگا:

"ہم جو مانگتے ہیں وہی ہمارا حق ہوتا ہے۔"

عنبر بولا:

"بھائی ناراض کیوں ہوتے ہو۔ تم چلو تو سہی۔"

عنبر نے امجد کو اپنے ساتھ رکشے میں بٹھایا اور رکشا گارڈن ٹاؤن کی طرف روانہ ہوگیا۔ کافی لمبا راستہ تھا۔ گارڈن ٹاؤن امجد کے بنگلے کے قریب عنبر نے رکشا کھڑا کروایا اور امجد سے کہا:

"امجد بیٹا اب تم گھر جاؤ۔ میں مقبرے واپس جاتا ہوں۔ میں تمہیں کل خود آکر ملوں گا تم وہاں نہ آنا۔"

"او کے انکل۔ شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

امجد رکشے سے اتر کر اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا اور عنبر نے رکشے والے سے کہا:

"چلو بھائی مجھے واپس دریا کے پل پر چھوڑ آؤ۔"

رکشا ڈرائیور کہنے لگا:

"جناب میں سو روپے سے کم نہیں لوں گا۔ یہ میں

آپ کو اسی جگہ بتائے دیتا ہوں۔"

عنبر بولا:

"اچھا میاں سو روپے ہی لے لینا تم چلو تو سہی۔"

رکشا ڈرائیور نے بڑبڑاتے ہوئے رکشا واپس گھمایا اور اس کا رخ دریائے راوی کی طرف کر دیا۔ اس وقت کافی رات گذر گئی تھی۔ مگر عنبر کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔

عنبر کا لباس اگرچہ قدیم زمانے کا تھا۔ یعنی لمبا کرتا اور شلوار مگر یہ لباس پاکستان میں بھی عام تھا اس لیے کسی کو عنبر پر شک نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کوئی دوسرے ملک کا اجنبی انسان ہے۔

عنبر نے مقبرہ جہاں گیر کو جانے والی چھوٹی سڑک پر ایک طرف رکشا رکوا لیا۔ اور رکشا ڈرائیور سے کہا:

"میرے کپڑوں کی جیب میں پرانے زمانے کی سونے کی ایک اشرفی پڑی رہ گئی ہے۔ وہی تم لے لو۔ یہ کافی مہنگی بک جائے گی۔"

اور عنبر نے جیب سے سونے کی آخری اشرفی نکال کر رکشا والے کو دے دی۔ یہ سونے کی اشرفی آج کے لاہور میں کم از کم دس ہزار روپے کی تھی اور یہ پرانے زمانے میں ہی عنبر کی جیب میں پڑی تھی جو اس کے پتھر بن جانے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے بعد پتھر ہو کر اس کے ساتھ چپک گئی تھی۔ رکشا ڈرائیور اشرفی کو روشنی میں لا کر غور سے دیکھنے لگا پھر بولا:

"صاحب مجھے تو سو روپے ہی دے دیں۔"

عنبر نے کہا:

"کیوں اپنا نقصان کر رہے ہو۔ یہ دس ہزار روپے سے کم نہیں بکے گی۔ جاؤ لے جاؤ۔"

اور عنبر مقبرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ رکشا ڈرائیور نے پیچھے سے آ کر عنبر کی قمیض پکڑ لی اور چاقو نکال لیا۔

"میرا کرایہ سیدھی طرح دو نہیں تو جان سے مار دوں گا۔"

عنبر کو اس شخص پر بڑا غصہ آ گیا۔ اس نے رکشا والے کے اس ہاتھ کو پکڑ لیا جس میں چاقو تھا۔ ذرا سا دبایا تو ڈرائیور کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے اسے پرے دھکیل دیا۔ ڈرائیور چھ سات لڑھکنیاں کھا کر درخت سے جا ٹکرایا۔

عنبر نے گرج کر کہا:

"دفع ہو جاؤ۔"

رکشا والے نے اشرفی جیب میں ڈالی اور رکشا لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ یہی سمجھا کہ یہ کوئی بھوت پریت ہے انسان نہیں ہے۔ عنبر مقبرے میں آ کر دیوار سے ٹیک

لگا کر لیٹ گیا۔ اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ کی انگوٹھی پر ڈالی۔ سرخ نگینے والی جادوئی انگوٹھی اس کی انگلی میں ویسے ہی پڑی تھی۔ مگر چاندنی رات نہیں تھی۔ ویسے بھی عنبر اب کچھ سوچ سمجھ کر انگوٹھی کو رگڑنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ انگوٹھی اپنی مرضی کے مطابق جہاں وہ چاہتی اسے لے جاتی تھی اور عنبر یہ نہیں چاہتا تھا۔ اسے اژدہا کے منکے کا خیال آیا۔ اژدہا کا سفید منکا امجد کے پاس ہی رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا کل وہ اس سے منکا لے کر دریا میں پھینک دے گا۔ کیوں کہ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ منکا امجد کے لیے پریشانی کا باعث نہ بن جائے۔

دوسرے روز اخباروں میں شور مچ گیا کہ قدیم زمانے کی نئی دریافت کا سر بھی عجائب گھر کی الماری سے چوری ہو گیا ہے۔ پولیس نے بڑے زور شور سے تفتیش شروع کر دی۔ مگر اب وہ عنبر کا کٹا ہوا سر بھلا کہاں تلاش کر سکتے تھے۔ وہ سر تو اب عنبر کے دھڑ پر لگ چکا تھا۔ اور اسے وہاں سے کوئی نہیں اتار سکتا تھا۔

امجد دن میں دیر تک سوتا رہا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ بارہ بجے اٹھا تو اس کی امی ابو اور بہن نے کاغان کی سیر کے بارے میں پوچھا کہ کیسی رہی؟ امجد نے یونہی سیر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے قصّے سنائے اور پھر اخبار پڑھنے لگا۔ جب اخبار میں اس نے عجائب گھر سے عنبر کے سر کے غائب ہونے کی خبر دیکھی تو دل میں ہنس پڑا۔ اس کے ابّو نے کہا:

"خدا جانے اس نئے دریافت ہونے والے بُت میں کیا جادو ہے کہ پہلے دھڑ غائب ہوا اب سر غائب ہو گیا ہے۔"

امجد بولا:

"ابو مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ بُت زندہ تھا۔"

اس کی بہن نے امجد کو چھیڑتے ہوئے کہا:

"تم انوکھی بات ہی کرو گے۔"

امجد نے کہا:

"بھلا پتھر کا بت بھی کبھی زندہ ہوا ہے؟"

امجد نے مسکراتے ہوئے کہا:

"امی! کبھی کبھی زندہ ہو جایا کرتا ہے۔"

اس کے ابّو نے کہا:

"ارے کیا بے کار باتیں کر رہے ہو۔ چلو اُٹھ کر نہاؤ اور ناشتہ کرو۔"

امجد اٹھ کر اپنے کپڑے ٹھیک کرنے لگا۔ رات کی اتاری ہوئی جیکٹ میں ہاتھ ڈالا تو جیب میں اژدہا کا سفید

منکا پڑا تھا۔ سوچا کہ یہ منکا عنبر کو دے دینا چاہیے تھا۔ پھر اسے اپنی الماری میں سنبھال کر ایک ڈبے میں رکھا اور نہانے کے لیے غسل خانے میں چلا گیا۔

ناشتے کے بعد امجد کے والد اور والدہ نے کہا کہ وہ شازیہ کی خبر لینے جا رہے ہیں۔ شازیہ امجد کی بھانجی تھی اور کئی روز سے بہت بیمار تھی اور ہسپتال میں پڑی تھی۔ گھر میں امجد اور اس کی بہن اکیلے رہ گئے۔ امجد کی بہن کالج کی کتاب لے کر بیٹھ گئی اور امجد اپنے کمرے کی صفائی کرنے کے بعد وہ بھی عنبر ناگ ماریا کی قسط نمبر پچاس لے کر پڑھنے بیٹھ گیا۔ دو بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور امجد کے ابو نے بتایا کہ شازیہ کا ہسپتال میں انتقال ہو گیا ہے۔ امجد اور اس کی بہن پریشان ہو گئے۔ امجد کی بہن تو رونے لگ پڑی۔ اسے شازیہ سے بڑی محبت تھی امجد نے گھر نوکر کے حوالے کیا اور بہن کو لے کر سیدھا ہسپتال پہنچ گیا۔ وہاں کہرام بپا تھا۔ شازیہ کی ماں اور بہن بھائی بُری طرح رو رہے تھے۔ اس کے باپ کو بیٹی کے غم میں بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ شازیہ کی لاش ایمبولنس میں ڈال کر گھر روانہ کر دی گئی۔

اچانک امجد کو اژدہا کے سفید منکے کا خیال آ گیا۔ اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے سوچا اگر یہ منکا پتھر میں جان ڈال سکتا ہے تو شازیہ کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ اس نے دل میں ایک فیصلہ کیا اور رکشا لے کر سیدھا اپنے گھر آیا۔ الماری میں سے سفید منکا نکالا اور اسی رکشے میں سوار ہو کر شازیہ کے گھر آ گیا۔ وہاں لاش ایک کمرے میں رکھی تھی اور سب لوگ رو رہے۔ ماں کا غم کے مارے بڑا حال ہو رہا تھا۔ بہن اور بھائی دیواروں سے ٹکراتے پھر رہے تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

امجد خاموشی سے کھسکتے کھسکتے شازیہ کی لاش کے قریب آ کر چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔ لاش چادر میں ڈھکی ہوئی تھی۔ امجد نے سفید منکا نکال کر مٹھی میں چھپا رکھا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور لاش کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"پھوپھی جان! شازیہ کا جسم تو گرم ہے۔"

شازیہ کی ماں اور بہنوں نے چونک کر امجد کی طرف دیکھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

ماں نے روتے ہوئے کہا:

"بیٹا شازیہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"

امجد نے کہا:

"پھوپھی جان مجھے نبض دیکھ لینے دیجیے۔ میرا دل

کہتا ہے کہ شازیہ بہن زندہ ہے۔"

تمام رشتے دار امجد کا منہ تکنے لگے کہ یہ احمق لڑکا کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ کیا یہ مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا ہے؟ امجد کی والدہ نے تو امجد کو ڈانٹ بھی دیا اور کہا:

"چلو اُدھر ہٹ کر بیٹھو امجد — یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

امجد نے کہا:

"امی جان میں صرف نبض دیکھنا چاہتا ہوں میرا شک دور ہو جائے گا۔"

اور امجد نے اپنی والدہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر شازیہ کی کلائی پکڑ لی۔ اژدہا کا سفید منکا اس کی مٹھی میں تھا۔ اس نے سفید منکا آہستہ سے شازیہ کی لاش کی کلائی سے رگڑ دیا۔ سفید منکے کا لاش کے جسم سے لگنا تھا کہ لاش میں حرکت پیدا ہونے لگی۔ امجد نے ہاتھ باہر کھینچ لیا۔ لاش نے آہستہ سے اپنا ہاتھ ہلایا اور چادر سے باہر نکال لیا۔ مردہ لاش کو زندہ ہوتے دیکھ کر وہاں افراتفری مچ گئی۔ سوائے شازیہ کی ماں اور بہنوں کے باقی سب رشتہ دار وہاں سے ڈر کر بھاگ گئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

امجد نے سفید منکا دوبارا جیب میں رکھ لیا تھا۔ لاش کے چہرے پر سے چادر ہٹائی گئی تو شازیہ نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی ماں اور بہنیں چیخ مار کر اس سے لپٹ گئیں۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک لاش جس کو ڈاکٹروں نے مردہ قرار دے دیا ہو دوبارا ان کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جائے لیکن شازیہ زندہ ہو چکی تھی اور وہ چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے کیا ہو گیا تھا امی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

اس کی امی نے اس کو گلے لگا لیا:

"میری بچی! کچھ نہیں ہوا تھا۔ کچھ نہیں ہوا تھا۔ ارے کھڑکیاں کھول دو کمرے کی، تازہ ہوا لگنے دو میری بچی کو۔"

بہنیں شازیہ سے لپٹ لپٹ جاتی تھیں۔ بھائی بار بار اپنی دوبارا زندہ ہو جانے والی بہن کا ماتھا چوم رہے تھے۔ اس کے بعد امجد کی باری آئی اور سب نے امجد کو سینے سے لگایا اور اس کا ماتھا چوما۔ شازیہ کی ماں اور باپ نے امجد کو گلے لگایا۔ ماں نے کہا:

"امجد بیٹا تیرا آنا باعث رحمت ثابت ہوا اگر

تجھے شک نہ پڑتا تو میری بچی زندہ دفن کر دی جاتی۔"

شازیہ نے کہا:

"امی! کیا میں مر گئی تھی؟ نہیں۔ میں تو بے ہوش تھی امی جان۔"

"ہاں بیٹا تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

باپ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ اسی وقت شازیہ کو لاش والی چارپائی سے اٹھا کر اس کے اپنے کمرے میں لے جا کر پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ اسے گرم گرم دودھ پلایا گیا۔ وہ پوری طرح ہوش میں آ چکی تھی مگر کمزوری بہت محسوس کر رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے آ کر اسے دوبارا چیک کیا اور حیران ہونے لگے۔

ایک ڈاکٹر نے کہا:

"یہ کوئی کرشمہ ہوا ہے۔ ہماری عقل یہاں کام نہیں کرتی۔"

امجد نے کسی کو نہ بتایا کہ یہ سارا کرشمہ اژدہا کے سفید منکے کا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح تو پھر لاہور کے ہر مردے کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیوں نہیں ہو سکتا؟ امجد نے سوچا۔ اس نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خود شازیہ کے جسم سے سفید منکہ رگڑ کر اسے زندہ کر دیا تھا۔ امجد کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ کیوں نہ کسی مردے کو زندہ کیا جائے۔ وہ اژدہے کا سفید منکہ لے کر اپنی بھانجی کے گھر سے باہر آ گیا۔ پہلے سوچا کہ قبرستان میں چل کر کسی مردے کو زندہ کیا جائے پھر خیال آیا کہ وہاں لاش اکیلی نہیں ہوتی اور کوئی اسے مردے کے پاس نہیں جانے دے گا اور اگر کسی وجہ سے مردہ زندہ نہ ہوا تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ اس کی پٹائی بھی ہو جائے۔ پھر اسے مردہ کہاں جا کر تلاش کرنا چاہیے۔

اچانک امجد کو ہسپتال کے مردہ خانے کا خیال آیا لیکن ہسپتال کے مردہ خانے پر تو تالا لگا ہوتا ہے پھر کیا کیا جائے؟ اس سفید منکے کو کہاں جا کر آزمایا جائے آخر امجد نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے کسی ویران سے قبرستان میں جانا چاہیے جہاں غریبوں کے جنازے آتے ہیں اور زیادہ لوگ ساتھ نہیں آتے۔ اس نے رکشا لیا اور ماڈل ٹاؤن سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں کے ویران سے قبرستان میں آ کر بیٹھ گیا اور کسی جنازے کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر بعد چند ایک لوگ ایک جنازہ لے کر آ گئے۔

جنازہ جنازگاہ میں رکھ کر انہوں نے وضو کیا۔ نماز جنازہ پڑھی اور قبر کھدوانے لگے۔ جنازہ جنازگاہ کے اندر اکیلا پڑا تھا۔ مردے کے پاس کوئی آدمی نہیں تھا۔ امجد چپکے سے جنازگاہ میں داخل ہوا اور مردے کے تابوت کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سفید منکہ نکال کر مردے کی ایڑی سے رگڑ دیا۔

منکے کا رگڑنا تھا کہ امجد کو ایک دھچکا لگا اور وہ الٹ کر پیچھے کو گرا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ انسان نہیں رہا۔ اس نے اپنے جسم پر نظر ڈالی تو وہ ایک سیاہ سانپ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ امجد دہشت کے مارے بے ہوش ہو گیا۔ جانے کب تک بے ہوش رہا۔ ہوش آیا تو اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ رات ہو گئی تھی اور وہ جنازگاہ میں دیوار کے ساتھ اینٹوں کے پیچھے سانپ کی شکل میں پڑا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ اسے خدائی قانون میں دخل دینے کی سزا ملی ہے اور اژدہا نے اسے سانپ بنا دیا ہے۔ اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگا کہ وہ کیسی منحوس گھڑی تھی جب اس کے دل میں مردے کو زندہ کرنے کا خیال آیا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ انسان سے سانپ بن چکا تھا اور خدا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جانے اب اس کی قسمت میں دوبارا انسان بننا تھا بھی یا نہیں ۔ اسے اپنی امی، ابو اور بہن کا خیال ستانے لگا کہ جب وہ رات کو گھر نہیں پہنچے گا تو غم کے مارے ان کا بہت بُرا حال ہو گا۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اسے اس قسم کے خطرناک کام نہیں کرنے چاہئیں تھے۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ چڑیاں کھیت چُگ گئی تھیں اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

اسے عنبر کا خیال آیا کہ کسی طرح اس کے پاس مقبرہ جہانگیر چلنا چاہیے تاکہ اپنی مصیبت اسے بیان کی جائے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ امجد سانپ بن چکا تھا اور وہ اپنی بپتا اسے نہیں سنا سکتا تھا۔ اگرچہ عنبر سانپوں کی زبان سمجھ لیتا تھا لیکن امجد کو شک تھا کہ ہو سکتا ہے وہ اس کی زبان نہ سمجھ سکے، کیوں کہ وہ تو انسان سے سانپ بنا ہے۔ بہرحال اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر کے پاس ضرور جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے وہ اپنے گھر جا کر اپنی امی ابو اور بہن کو دیکھنا چاہتا تھا۔

گارڈن ٹاؤن جانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ راستے میں بے پناہ خطرے تھے۔ ٹرک، رکشے، کاریں اور سکوٹر سڑک پر چل رہے تھے۔ پھر اگر اسے کسی نے دیکھ لیا تو لوگ

اسے اینٹیں پتھر مار کر کچل ڈالیں گے لوگ تو سانپ کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو کچھ بھی ہو اسے اپنے گھر اور پھر عنبر کے پاس ضرور جانا تھا۔

امجد رینگتا ہوا قبرستان کی جنازگاہ سے باہر نکلا اور رات کے اندھیرے میں سنسان قبروں کے قریب سے ہوتا ہوا باہر کھیتوں میں آ گیا۔ اس کو راستہ کچھ کچھ یاد تھا۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ دور ماڈل ٹاؤن کی کوٹھیوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ان کے پیچھے گارڈن ٹاؤن کی آبادی تھی اور امجد کا اپنا گھر تھا جہاں اسے نہ پا کر اس کے ماں باپ اور بہن پریشان ہو رہے ہوں گے۔ امجد کی سانپ والی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے خدا کا نام لے کر اپنے گھر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔

کھیتوں سے نکل کر وہ ایک میدان میں آ گیا جہاں ذرا فاصلے پر خانہ بدوشوں کے پھٹے پرانے خیمے لگے تھے اور دو ایک خیموں میں لالٹینیں جل رہی تھیں۔ امجد جن خیموں کو خانہ بدوشوں کے خیمے سمجھا تھا وہ سپیروں کی بستی تھی۔ وہ میدان میں رینگتا ہوا ماڈل ٹاؤن کی طرف چلا جا رہا تھا۔ جب وہ سپیروں کی بستی کے قریب سے گزرا تو ایک بوڑھے سپیرے نے حقہ پیتے ہوئے اپنے لڑکے سُندر سے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"بیٹا سندر! یہاں کچھ فاصلے پر قبرستان کی طرف سے ایک سانپ چلا آ رہا ہے۔ اسے پکڑ لو۔"

سندر بین اور پٹاری لے کر اٹھا اور اس طرف آ گیا جدھر امجد رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سندر سپیرے نے بین بجانی شروع کر دی۔ امجد اگرچہ انسان تھا مگر وہ سانپ بن چکا تھا اور اس میں سانپ کی ساری خصوصیتیں آ گئی تھیں۔ بین کی آواز نے اسے سست کر دیا۔ وہ رُک گیا اور جھومنے لگا۔ سپیرے کی تیز نگاہوں نے بھی سانپ کو جھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بین بجاتا ہوا اس کے پاس آ کر زمین پر پٹاری کھول کر بیٹھ گیا اور اپنے خاص طریقے سے سانپ کو پٹاری کی طرف بلانے لگا۔

امجد کو بین کی آواز نے مست کر دیا تھا اور وہ جھوم رہا تھا۔ جھومتے جھومتے وہ آہستہ آہستہ پٹاری کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سپیرے نے بھی سانپ پر آنکھیں گاڑھ رکھی تھیں۔ جونہی امجد جھومتے ہوئے سپیرے کی پٹاری کے قریب آیا اس نے پٹاری اس کے آگے کھسکا دی اور زور زور سے لہرا لہرا کر بین کی دھن تیز کر دی۔ امجد کو اپنی کچھ ہوش نہ رہی۔ وہ مست سانپ کی طرح جھوم رہا تھا اور جھومتے جھومتے پٹاری کے اندر چلا گیا۔ جونہی وہ پٹاری میں داخل

ہوا سپیرے نے بڑی پھرتی سے پٹاری کا منہ بند کر دیا اور رسی لپیٹ کر اسے جھولے میں ڈال کر واپس اپنے بڈھے باپ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ اس نے سانپ پکڑ لیا ہے۔

بوڑھے سپیرے نے حقے کا کش لگاتے ہوئے کہا:

"سندر بیٹا! یہ کوئی انوکھی قسم کا سانپ لگتا ہے مجھے"

"کیا مطلب ہے تمہارا دادا؟"

بوڑھا سپیرا اپنی سفید مونچھوں پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے بولا:

"اس سانپ کی مجھے بُو آ گئی تھی مگر کمال کی بات یہ ہے کہ اس کی بُو میں انسان کی بُو بھی ہے۔"

بیٹے نے کہا:

"دادا ـــ تو کیا یہ سانپ انسان ہے؟ یعنی کیا یہ وہ ناگ ہے جو پانچ سو سال گذر جانے پر انسان بن جاتا ہے۔"

بوڑھا بولا:

"کچھ کہہ نہیں سکتا بیٹا۔ بہرحال اس سانپ کی حفاظت کرنا، ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے تمہارے بخت چمک اُٹھیں۔

سپیرے سندر نے کہا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"دادا! میں اسے سنبھال کر رکھوں گا۔"

بوڑھے سپیرے نے کہا:

"نہیں۔ تم بے شک اس کا تماشہ دکھانا، ہو سکتا ہے تماشہ دکھاتے ہوئے یہ انوکھا سانپ کوئی کرشمہ کر بیٹھے۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ کوئی انوکھا سانپ ہے اور جتنے سانپ آج تک میں نے دیکھے ہیں ان سب سے الگ تھلگ قسم کا سانپ ہے۔"

بیٹے نے کہا:

"میں اس سانپ کے بارے میں ہوشیار رہوں گا دادا، تم فکر نہ کرو۔"

اور سپیرے سندر نے امجد کی پٹاری کو لکڑی کے بڑے صندوق میں رکھ کر تالا لگا دیا۔ امجد پٹاری میں بند تھا۔ جب بین کا اثر اترا تو اپنی قسمت کو کوسنے لگا کہ اس نے یہ کیا حماقت کی۔ مگر بین کی دھن پر رقص کرنا اس کی فطرت ہو چکی تھی اور وہ بین کی دھن پر ناچنے پر مجبور تھا۔ پٹاری کے اندھیرے میں بیٹھے بیٹھے امجد کا دل غم سے بوجھل ہو گیا۔ اس کی زندگی کا تاریک ترین دور شروع ہو گیا تھا اور وہ مجبور تھا بے بس تھا۔ چاہنے کے

باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اب ذرا عنبر کی طرف آتے ہیں۔

شام کو عنبر مقبرہ جہانگیر سے نکل کر امجد کے بنگلے پر آ گیا۔ امجد کے والد صاحب نے عنبر کو پہلے بھی ایک دو بار اپنے گھر پر امجد کے ساتھ دیکھا تھا۔ انہوں نے عنبر کو پہچان لیا۔ عنبر نے سلام علیک کہہ کر امجد کے بارے میں پوچھا۔

اس کے والد نے کہا:

"ہم خود اس کے بارے میں پریشان ہیں۔ دوپہر کو اپنی بھانجی کے گھر سے نکلا تھا۔ شام ہو گئی ہے ابھی تک نہیں آیا۔"

اور پھر امجد کے والد نے عنبر کو شازیہ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ سنایا:

"کیا امجد نے شازیہ کی نبض دیکھی تھی؟" عنبر نے پوچھا

اس کے والد نے کہا:

"ہاں — اس نے لاش پر پڑی چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر شازیہ کی نبض دیکھی اور پھر وہ زندہ ہو گئی"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔"

عنبر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ہو نہ ہو امجد نے ضرور اژدہا کا منکہ لاش کے جسم سے چھوا ہو گا۔ غلطی کی جو منکہ اس کے پاس رہنے دیا۔ مجھے اس سے منکہ لے لینا چاہیے تھا۔ امجد کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے اور اس میں کبھی کبھی بھیانک حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے امجد کے باپ سے پوچھا:

"امجد نے آپ سے کسی خاص شے کا ذکر کیا تھا؟"

"نہیں۔ اس نے کاغان سے آنے کے بعد مجھ سے کسی خاص چیز کا ذکر نہیں کیا۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اس سے آگے وہ اژدہے کے منکے کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے امجد کے باپ کو تسلی دی کہ فکر نہ کریں۔ امجد یہیں کہیں ہو گا۔ آ جائے گا۔

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔ رات کو امجد کی خیریت معلوم کرنے آؤں گا۔"

اور عنبر سلام کر کے چلا گیا۔ وہ امجد کے بنگلے سے نکل کر کوٹھیوں میں سے ہوتا ہوا ایک پارک میں آ کر بنچ پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ امجد کہاں چلا گیا؟ وہ کہاں جا سکتا ہے؟

اسے اب تک گھر واپس آ جانا چاہیے تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اژدہا کا سفید منکہ اس کے پاس ہے کہیں وہ کوئی بچوں ایسی خطرناک حرکت نہ کر بیٹھا ہو۔ کیوں کہ اگرچہ امجد دسویں کا امتحان دے چکا تھا پھر بھی وہ نادان تھا اور عنبر ناگ ماریا کی دنیا کے پُر اسرار واقعات اور خطرناک باتوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کہیں وہ اژدہا کے منکے کی وجہ سے کسی بھاری مشکل میں تو گرفتار نہیں ہو گیا؟ دوسرے لمحے اس کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ نہیں، امجد اتنا نادان نہیں ہے۔ وہ کوئی اس قسم کی حماقت نہیں کرے گا۔ لیکن شازیہ کی لاش کو اس نے اژدہے کے منکے سے ہی دوبارا زندہ کیا ہے جو اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ کیوں کہ اسے خدا کے قانون میں ہرگز ہرگز دخل نہیں دینا چاہیے۔ کہیں وہ کسی بھاری مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے۔

یہی سوچتے سوچتے عنبر کو پارک میں رات ہو گئی۔

رات کے دس بج رہے ہوں گے کہ عنبر ایک بار پھر امجد کے گھر گیا۔ وہ سب لوگ پریشان بیٹھے تھے۔ امجد ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس کی والدہ اور بہن نے کھانا تک نہیں کھایا تھا۔ امجد کے والد نے پولیس میں اپنے بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ کر دی تھی۔ عنبر بھی یہ معاملہ دیکھ کر گھبرا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سا گیا کہ خدا خیر کرے۔ کہیں امجد کسی بھاری مصیبت میں
نہ پھنس گیا ہو۔ اب تو اسے امجد کی زندگی کی فکر پڑ گئی تھی
لیکن اس نے امجد کی والدہ اور والد کو کافی حوصلہ دیا اور
کہا کہ وہ نادان ہے دوستوں کے ساتھ کہیں ادھر اُدھر نکل
گیا ہو گا۔ صبح تک واپس آ جائے گا۔ مگر امجد کے ماں باپ
بہت پریشان تھے، وہاں اور بھی رشتے دار آئے ہوئے تھے شہر
میں امجد کی جگہ جگہ تلاش ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عنبر وہاں سے اٹھ آیا۔

رات اس نے مقبرہ جہانگیر پر بے چینی سے امجد کے
بارے میں سوچ بچار کرتے ہوئے گزار دی۔ صبح ہوئی تو وہ
سیدھا عجائب گھر میں آ گیا۔ عجائب گھر کھل چکا تھا اور لوگ
گھوم پھر کر تاریخی چیزیں دیکھ رہے تھے۔ عنبر کے پاس ٹکٹ
کے پیسے نہیں تھے۔ وہ چوکیدار کی آنکھ بچا کر اندر گھس گیا۔
سب سے پہلے اپنی اس الماری کے پاس گیا جہاں کبھی
اس کا کٹا ہوا سر رکھا رہتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا دیوتا
کے بت کے پاس آ کر رک گیا اور اس کی طرف دیکھا۔
دیوتا کا بت کے لب آہستہ سے ہلے اور اس نے سرگوشی
کی آواز میں کہا:

"عنبر! امجد نے بڑی بھیانک غلطی کی تھی، اس کی

اسے سزا ملی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عنبر نے بے تابی سے پوچھا:

"فکر نہ کرو۔ وہ زندہ ہے۔ مگر مردے سے بدتر ہے۔"

"کیا؟" عنبر نے گھبرا کر پوچھا۔

دیوتا بت نے کہا:

"اس نے ایک بار اپنی بھانجی کو اژدہا کے منکے
سے زندہ کر دیا۔ اسے معاف کر دیا گیا لیکن اس
کے بعد اس نے ایک اور مردے کو زندہ کرنے
کی کوشش کی۔ اس حرکت کو اژدہا نے معاف نہیں
کیا اور اسے سانپ بنا دیا۔"

"ہائیں! کیا امجد سانپ؟" عنبر جملہ پورا نہ کر سکا۔

دیوتا بت نے کہا:

"ہاں! وہ سانپ بن چکا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"میں اسے کہاں تلاش کر سکتا ہوں؟"

دیوتا بت بولا:

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس شہر کی ایک
آبادی ماڈل ٹاؤن کے قریب پیپروں کی ایک بستی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہے۔ تمہیں وہاں سے امجد کا سراغ مل سکتا ہے۔"

عنبر پریشان ہو گیا۔ وہ سر جھکائے ہوئے عجائب گھر سے باہر نکل آیا۔ چوکیدار اس کے پیچھے آیا۔

"ٹکٹ کا باقی آدھا حصہ کہاں ہے؟"

عجائب گھر میں جب داخل ہوں تو گیٹ کیپر آدھا ٹکٹ پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور باقی آدھا ٹکٹ واپسی پر وصول کرتا ہے۔ عنبر خود پریشان تھا اور اپنے خیالوں میں گم تھا۔ اوپر سے گیٹ کیپر نے اس سے آدھا ٹکٹ مانگا تو اس نے کہا:

"بھائی میرے پاس آدھا ٹکٹ نہیں ہے۔"

گیٹ کیپر نے اسے پکڑ لیا۔

"تو تم نے ٹکٹ خریدا ہی نہیں تھا۔ پیسے نکالو ٹکٹ کے۔ نہیں تو میں تمہیں ابھی پولیس کے حوالے کیے دیتا ہوں۔"

عنبر نے گیٹ کیپر کا ہاتھ چھڑا کر اسے آہستہ سے پرے دھکا دیا تو وہ چھ بار لڑھک کر گیٹ کے اندر جا گرا اور وہیں فرش پر پڑے پڑے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو تکنے لگا کہ اس انسان میں اتنی زبردست طاقت کہاں سے آگئی ہے؟

عنبر نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور عجائب گھر کی ڈیوڑھی

سے نکل کر مال روڈ کے فٹ پاتھ پر آگیا۔ وہ امجد کے بارے میں بے حد پریشان تھا۔ یہ بڑی خطرناک بات ہوئی تھی کہ امجد سانپ بن گیا تھا۔ اسے ہر حالت میں اس مصیبت سے چھٹکارا دلانا تھا اور پھر سے انسان کی جون میں واپس لانا تھا۔

عنبر مال روڈ پر سر جھکائے ماڈل ٹاؤن کی طرف پیدل ہی چلا جا رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے پاس بس کا ٹکٹ خریدنے کے لیے بھی کوئی پیسہ نہیں تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں

عنبر ماڈل ٹاؤن پہنچا تو دن کافی چڑھ آیا تھا۔

سپیروں کی خیمہ بستی تلاش کرتے کرتے دوپہر ہو گئی آخر عنبر نے ایک جگہ میدان میں کچھ پھٹے پرانے خیمے لگے دیکھے قریب آیا تو ایک خیمے کے اندر ایک بوڑھا سپیرا جھلنگا چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ عنبر نے اسے جا کر سلام کیا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔ یہ وہی بوڑھا سپیرا تھا جس کے بیٹے سندر نے رات کو امجد کو سانپ کے روپ میں پکڑ کر پٹاری میں بند کیا تھا۔

بوڑھے نے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"کہو میاں! کیسے آنا ہوا؟"

عنبر سوچ رہا تھا کہ بات کیسے شروع کرے اور کہاں سے شروع کرے۔ آخر ذرا سا کھانس کر بولا:

"بابا! میں تمہارے پاس ایک بڑے ضروری کام سے آیا ہوں۔"

بوڑھا سپیرا بولا:

"بیٹا ہم تو غریب سپیرے ہیں۔ ہم سے بھلا کسی کو کیا ضروری کام ہو سکتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں بابا! مجھے تم سے ہی وہ ضروری کام ہے۔"

سپیرے نے پوچھا:

"آخر بتاؤ تو سہی۔ کام کیا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"رات کو کیا تم میں سے کسی نے کوئی سانپ پکڑا ہے؟"

بوڑھے سپیرے کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے پہلے ہی خیال تھا وہ کوئی انوکھا سانپ تھا۔ اب یہ شخص اس کے پاس اسی سانپ کے بارے میں دریافت کرنے آیا ہے۔ ضرور وہ کوئی انتہائی قیمتی سانپ تھا۔ یا اس میں کوئی گہری راز کی بات چھپی ہوئی ہے۔ بوڑھے نے دل میں سوچا کہ وہ کم از کم دس ہزار روپے لے کر سانپ کے بارے میں کچھ بتائے گا۔ وہ خاموشی سے حقہ پینے لگا۔

عنبر نے پھر کہا:

"بابا! تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سپیرا بولا:

"میاں! ہمارا تو کام ہی سانپ پکڑنا ہے مگر رات ہم نے کوئی سانپ نہیں پکڑا۔

تمھیں معلوم ہے اب برسات کا موسم نہیں ہے۔ اس لیے سانپ سنپولیے بلوں سے بہت کم باہر نکلتے ہیں۔"

مگر عنبر نے بوڑھے سپیرے کی شکل سے صاف اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

اس نے کہا:

"بابا! میں اس سانپ کی تلاش میں ہوں۔ مجھے اس کی بہت سخت ضرورت ہے۔"

بوڑھے نے کہا:

"کیا تم بھی کوئی سپیرے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں سپیرا تو نہیں بابا مگر اس سانپ کی مجھے تلاش ہے۔ اگر تم بتا دو کہ وہ سانپ کہاں ہے تو تمھاری مہربانی ہوگی۔"

بوڑھے سپیرے نے حقے کا کش لگا کر کہا:

"میاں! مجھے تو اس سانپ کے بارے میں کچھ

معلوم نہیں۔ ہم نے رات کوئی بھی سانپ نہیں پکڑا۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ نا اُمید ہو گیا تھا۔ لیکن سپیروں کی بستی میں عنبر کی موجودگی کی وجہ سے پٹاریوں میں سارے سانپ بے چین ہو گئے تھے۔ کیوں کہ عنبر کے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بُو آ رہی تھی۔ اتنے میں ایک سپیرا گھبرایا ہوا خیمے میں داخل ہوا اور بولا:

"بابا! سانپ گھبرائے ہوئے ہیں۔ پٹاریوں سے باہر نکل رہے ہیں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ اس کی وجہ سے ہو رہا ہے اور سانپوں نے اس کے جسم میں سے نکلتی ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بُو کو محسوس کر لیا ہے۔ بوڑھا سپیرا گھبرا کر اٹھا اور ساتھ والے خیمے میں جا کر سانپوں کی پٹاریوں کو جھک کر غور سے تکنے لگا۔ سانپ پٹاریوں کے اندر اچھل رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ وہ پٹاریوں سے باہر نکل آئیں گے۔

بوڑھے سپیرے نے کہا:

"ارے یہ موسم کی تبدیلی کا اثر ہے۔ ان پٹاریوں پر ایک ایک اینٹ رکھ دو۔"

سپیروں نے بوڑھے سپیرے کے کہنے کے مطابق پٹاریوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ایک ایک اینٹ لا کر رکھ دی۔ اب سانپ پٹاریوں سے باہر تو نہیں نکل سکتے تھے مگر وہ پٹاریوں کے اندر اسی طرح گھبرا کر اچھل رہے تھے۔ کیوں کہ انہیں ناگ دیوتا کی بُو صاف آ رہی تھی۔ بوڑھا سپیرا ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اور اس کے پاس جو شخص آ کر بیٹھا ہوا ہے وہ کون ہے۔ سپیرا اپنی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر دوبارہ چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا مزے لے کر حقہ پینے لگا۔

عنبر نے کہا:

"بابا! اگر تم مجھے اس سانپ کے بارے میں بتا دو جو رات کو یہاں تمہارے سپیروں میں سے کسی نے پکڑا تھا تو میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا۔"

اب بوڑھے سپیرے نے صاف صاف کھل کر بات کر دی۔

"میاں! خالی خولی شکریہ کیا ہوتا ہے؟ اگر میں تمہیں بتا دوں کہ وہ سانپ کہاں ہے تو تم مجھے کتنی رقم دو گے؟"

عنبر ایک دم خوشی سے اچھل پڑا:

"کہاں ہے وہ سانپ بابا؟"

بوڑھا سپیرا بولا:

"واہ واہ! ایسے ہی بتا دوں کہ کہاں ہے وہ سانپ؟ پہلے یہ بتاؤ کہ مجھے کتنی رقم دو گے؟"

عنبر نے کہا:

"بابا! قسم لے لو اس وقت میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ ہاں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ وقت آنے پر تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"

بوڑھے نے نفرت سے تھوک کر کہا:

"ارے جا جا! اگر جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی کہ یہاں کیا لینے آ گیا تھا؟"

بوڑھے سپیرے نے ایک موٹے تازے غنڈے سپیرے کو بلا کر کہا:

"ارے چھندو! اس کو یہاں سے نکال کر باہر پھینک دے۔"

عنبر نے جلدی سے کہا:

"اس کی ضرورت نہیں بابا! مجھے بتاؤ تمہیں کتنی رقم چاہیے؟"

بوڑھا سپیرا مسکرایا اور ہاتھ لہرا کر بولا:

"ارے چھندو! وہیں بیٹھا رہ۔ بابو سیدھی راہ پر آ گیا ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پھر عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:
"مگر بابو! تمہارے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہے تم مجھے کہاں سے لاکر دو گے میری رقم؟"
عنبر نے کہا:
"بابا! اگر میں تمہیں تمہاری مرضی کی رقم یہیں پیدا کر دوں تو کیا تم مجھے بتا دو گے کہ رات کو جو سانپ یہاں پکڑا گیا تھا وہ کہاں ہے؟"
بوڑھے سپیرے نے کہا:
"میں وعدہ کرتا ہوں۔ مگر اس کے عوض تمہیں مجھے بیس ہزار روپے دینے ہوں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تو مجھے کوئی بھکاری نظر آتا ہے۔ اتنی رقم کہاں سے لائے گا؟"
عنبر نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر کہا:
"ابھی یہاں آ جائے گی تمہاری بیس ہزار تیس ہزار چالیس ہزار کی رقم بابا۔"
سپیرے نے جھنجلا کر کہا:
"ارے تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے؟ کہاں سے لائے گا اتنی بھاری رقم؟"
عنبر نے کہا:

"تم صرف ایک کام کرو۔"
"وہ کیا؟" بوڑھے سپیرے نے پوچھا:
عنبر بولا:
"ساتھ والے خیمے میں جو سانپوں کی پٹاریوں پر تم نے اینٹیں رکھوائی ہیں ان میں سے کسی پٹاری کے اوپر سے اینٹ اٹھا دو اور کسی ایک سانپ کو خیمے میں کھلا چھوڑ دو۔"
بوڑھا سپیرا تعجب سے عنبر کا منہ دیکھنے لگا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہاں دوسرے سپیرے بھی آ کر کھڑے ہو گئے تھے اور عنبر کی طرف حیرانی اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔
بوڑھا سپیرا بولا:
"اس سے کیا ہو گا؟"
عنبر نے کہا:
"تم سانپ کو کھول دو۔ پھر دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے اور جو کچھ ہو گا تمہارے سامنے یہیں ہو گا۔"
ایک سپیرے نے کہا:
"یہ سانپ بڑے زہریلے ہیں۔ تمہیں ڈس لیا تو مارے جاؤ گے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عنبر نے اس سپیرے کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم اپنی فکر کرنا کہیں تمہیں نہ ڈس لے۔"

بڑھے سپیرے نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ساتھ والے خیمے میں ایک پٹاری میں سے کسی ایک سانپ کو آزاد کر دیا جائے۔ اسی وقت ایک آدمی ساتھ والے خیمے میں گیا۔ اس نے ایک پٹاری کے اوپر سے اینٹ اٹھا کر پٹاری کا منہ کھول دیا۔ ایک سیاہ کالا سانپ پھنکارتا ہوا باہر اچھل پڑا۔ سب لوگ ادھر اُدھر ہٹ گئے۔ دوسرے سپیرے نے جلدی سے پٹاری کا منہ بند کر دیا تا کہ دوسرے سانپ نہ باہر نکل آئیں جو سانپ باہر نکلا تھا۔ اس نے اپنا پھن اٹھا دیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔

عنبر چارپائی پر بڈھے سپیرے کے پاس بیٹھا تھا۔ بڈھا سپیرا بڑی حقارت سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"تم ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ ہم جدی پشتی سپیرے ہیں۔ سانپوں سے کام لینا ہم جانتے ہیں یہ سانپ تمہیں صرف ڈس کر ہلاک کر دے گا۔ اور کچھ نہیں کرے گا۔ کیوں کہ تم ہی یہاں پر اجنبی آدمی ہو۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہا۔ کالا سانپ پھن اُٹھائے خیمے سے نکل کر عنبر کی چارپائی کے سامنے آ کر رُک گیا۔ اپنا پھن جھکا دیا۔ پھر زمین کے ساتھ لگا کر اپنی زبان میں بولا:

"اے عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! تمہارا آنا مبارک ہو میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

عام طور پر عنبر خاموش زبان میں سانپوں سے بات کیا کرتا تھا مگر اس وقت اس نے سانپ ہی کی زبان میں بلند آواز میں کہا:

"یہاں اگر کسی جگہ کوئی خزانہ دفن ہے تو جا کر اس میں سے سب سے قیمتی موتی ہیرا یا لعل لے کر واپس آ جاؤ۔"

سانپ نے ایک بار پھر سر جھکا کر سلام کیا اور بڑے ادب سے واپس چلا گیا۔ اب تو تمام سپیرے حیران ہو کر عنبر کو تکنے لگے۔ بوڑھا سپیرا بھی اندر ہی اندر کچھ پریشان ہو گیا تھا مگر اوپر سے خاموش تھا۔ کہنے لگا:

"بھلا اس سے کیا ہو گا۔ تم ہم سپیروں کو دھوکہ نہیں دے سکو گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ذرا انتظار کرو بوڑھے سپیرے!"

تھوڑی ہی دیر میں وہی کالا سانپ واپس آ گیا۔ اس نے منہ میں ایک بڑا ہی قیمتی یاقوت پکڑا ہوا تھا۔ یاقوت میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں۔ اس یاقوت کو دیکھ کر بوڑھے سپیرے کی عقل دنگ رہ گئی۔ سانپ نے یاقوت عنبر کے قدموں میں لا کر ڈال دیا عنبر نے یاقوت اٹھا کر بوڑھے سپیرے کی جھولی میں پھینکتے ہوئے کہا:

"اگر تم میرے بزرگ نہ ہوتے تو میں تمہیں کہتا کہ تم دولت کے کتے ہو، مگر میں تمہیں ایسا نہیں کہوں گا۔ اب بتاؤ رات کو تم لوگوں نے جو سانپ پکڑا تھا وہ کہاں ملے گا؟"

عنبر کو یاقوت دے کر کالا سانپ واپس خیمے میں چلا گیا تھا۔ تمام سپیرے عنبر کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ بوڑھے سپیرے نے بھی عنبر کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا:

"بیٹا! مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہاری طاقت سے بے خبر تھا۔"

پھر اس نے عنبر کو بتایا کہ رات کو اس کے بیٹے سندر سپیرے نے ایک انوکھا سانپ پکڑا تھا جس میں

سے انسان کی بو بھی آتی تھی۔

"وہ کہاں ہے؟" عنبر نے پوچھا۔

بوڑھے سپیرے نے کہا:

"افسوس کہ میرا بیٹا آج صبح کی گاڑی سے اپنے ساتھی سپیروں کے ساتھ سندھ کی طرف چلا گیا ہے۔ وہاں وہ زہریلے سانپ پکڑنے گئے ہیں۔"

عنبر نے اپنا سر تھام لیا پھر پوچھا:

"تمہارے خیال کے مطابق وہ مجھے کہاں مل سکے گا؟"

بوڑھے سپیرے نے کچھ سوچ کر کہا:

"پرسوں وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ لاڑکانہ کے پاس موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں جانا چاہتا ہے جہاں بڑے زہریلے اور قیمتی سانپ پائے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لاڑکانہ گئے ہیں تم اگر موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں جاؤ تو تمہیں وہاں میرا بیٹا سندر مل جائے گا۔"

پھر بوڑھے سپیرے نے عنبر کو اپنے بیٹے سندر سپیرے کا حلیہ بتایا اور ایک سبز رنگ کا پتھر اپنی نشانی کے طور پر بھی دیا۔ عنبر نے بوڑھے سپیرے سے کہا:

"میں تمہیں بڑا قیمتی یاقوت دیئے جا رہا ہوں اسے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہنچ کر غریبوں کو چھ روز تک کھانا کھلاتے رہنا۔"

"ایسا ہی کروں گا بیٹا۔" بوڑھے سپیرے نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

عنبر چپکے سے اٹھا اور سپیروں کی خیمہ بستی سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب امجد کے گھر جانا بیکار تھا۔ وہ امجد کو ساتھ لے کر ہی اس کے ماں باپ کے گھر جانا چاہتا تھا۔ عنبر کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ اور موہنجو داڑو تک سفر کے لیے اسے کچھ روپوں کی ضرورت تھی۔ عنبر ماڈل ٹاؤن سے نکل کر سیدھا مقبرے گیا۔ وہ جانتا تھا کہ مقبرے جہانگیر کے ارد گرد مغلیہ خاندان کے بے شمار خزانے دفن ہیں۔ اس نے ایک خزانے کے سانپ کے ذریعے وہاں سے کچھ سونے کی اشرفیاں حاصل کیں اور ٹرین میں سوار ہو کر حیدر آباد روانہ ہو گیا۔ وہاں سے وہ سکھر گیا اور ایک بس میں بیٹھ کر لاڑکانے آ گیا جہاں سے موہنجو داڑو کے کھنڈر نزدیک ہی تھے۔ ایک رات اس نے سفر میں بسر کی۔ دوسری رات لاڑکانے کے ایک ہوٹل میں گزاری اور صبح کو سندر نامی سپیرے کی تلاش میں موہنجو داڑو کے ارد گرد کے علاقوں میں نکل گیا۔

اب امجد کی بھی سنو کہ اس کے ساتھ کیا بیتی۔

سندر نام کا سپیرا اپنے ساتھی سپیرے کے ہمراہ سانپ پکڑنے موہنجو داڑو آیا تو دن کو وہ آس پاس کے جنگلوں میں سانپوں کی تلاش میں پھرتے رہے۔ شام ہوئی تو باقی سپیرے تو بستی کی طرف چلے گئے مگر سندر سپیرا جس کی پٹاری میں امجد سانپ کی شکل میں قید تھا یہ کہہ کر موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں آ گیا کہ وہاں بعض سانپ شام کو نکلتے ہیں میں انہیں پکڑوں گا۔

موہنجو داڑو کے کھنڈرات کوئی کہتا ہے پانچ ہزار سال اور کوئی کہتا ہے کہ آٹھ ہزار سال اور کوئی کہتا ہے کہ نو ہزار سال پرانے ہیں اور یہاں کسی زمانے میں ایک ایسی قوم آباد تھی جو بیل کی پوجا کرتی تھی اور جادو ٹونے میں بڑی ماہر تھی۔ سندر سپیرا کھنڈر کی پرانی گلیوں اور ٹیلوں میں بین بجاتا پھرا۔ اسے کہیں کوئی سانپ نظر نہ آیا۔ جب اندھیرا زیادہ گہرا ہونے لگا تو اس نے ایک ٹیلے کے پاس ایک چار دیواری دیکھی جس کے کونے میں ایک کنواں بنا ہوا تھا۔ اس کنوئیں پر تختی لگی تھی کہ یہ کنواں پانچ ہزار سال پرانا ہے۔ سپیرے نے اس کنوئیں کے قریب بین بجانی شروع کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ کنواں اندر ٹھنڈا ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں کوئی سانپ رہ رہا ہو اور بین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی آواز سن کر باہر آ جائے۔

وہ دیر تک بین بجاتا رہا۔ جب بین بجانی بند کرنے لگا تو اچانک کنوئیں کے اندر سے پھنکار اور شُوں شُوں کی آوازیں آنے لگیں۔ سپیرا بڑا خوش ہوا کہ اندر سے کوئی سانپ آ رہا ہے۔ سپیروں کو جب کوئی سانپ پکڑنا ہوتا ہے تو وہاں اپنا کوئی پکڑا ہوا سانپ بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ سپیرے نے پٹاری کھولی اور امجد کو جو سانپ بنا ہوا تھا۔ کنوئیں کے پاس چھوڑ دیا۔ امجد بین کی آواز پر رقص کرنے لگا۔ اگر بین کی آواز نہ آتی تو شاید وہ کسی طرف کو بھاگ جاتا۔ مگر بین کی آواز نے اسے وہیں رقص کرنے پر مجبور کر دیا۔ امجد پھن اٹھائے رقص کر رہا تھا۔ کنوئیں کے اندر سے پھنکاروں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔

سپیرے کو بین بجاتے بجاتے پسینہ آ گیا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ مگر کسی قیمتی سانپ کو پکڑنے کی امید میں وہ برابر بین بجائے چلا جا رہا تھا۔ ادھر سورج غروب ہو گیا تھا اور شام کی سیاہی کھنڈروں میں پھیلنے لگی تھی۔ چاروں طرف بڑا پُراسرار اندھیرا اپنے پنجے پھیلا رہا تھا۔ کنوئیں میں سے پھنکاریں اب اتنی بلند ہو گئی تھیں کہ بین کی آواز اس میں دبنے لگی تھی۔ اب سپیرا بھی گھبرا گیا۔ اس

نے اپنی زندگی میں کسی سانپ کی ایسی دہشت ناک پھنکاریں نہیں سنی تھیں۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کہ کنوئیں کی پھنکاروں نے اس پر بھی کوئی جادو کر دیا ہے۔ وہ برابر بین بجائے چلا جا رہا تھا۔ کنوئیں میں سے اب روشنی باہر نکلنے لگی۔ یہ روشنی نیلے رنگ کی تھی۔ سپیرا ڈر گیا اور بین وہیں پھینک کر بھاگ اُٹھا۔ وہ امجد کو بھی وہیں چھوڑ گیا تھا۔

سپیرا بھاگ گیا مگر امجد سانپ کی شکل میں ابھی تک جھوم رہا تھا۔ اب اسے کنوئیں سے آتی پھنکاروں نے اپنے جادو کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سپیرا دور ایک پرانی دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو کر کنوئیں کی طرف تکنے لگا کہ دیکھیں کنوئیں کے اندر سے کیا نکلتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کنوئیں کے اندر سے ایک خوب صورت عورت رقص کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کے نتھنوں سے پھنکاریں نکل رہی تھیں اور ہر پھنکار کے ساتھ نیلے رنگ کی روشنی کا غبار باہر کو لپکتا تھا۔

سپیرا ڈر گیا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے ایسا بھاگا کہ پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا۔

یہ رقص کرتی عورت جس کا سارا جسم کالا سیاہ تھا اور سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں کنوئیں میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے نکل کر سیدھی امجد کے پاس آئی جو ابھی تک جھوم رہا تھا۔ اس عورت نے ہاتھ بڑھا کر امجد کو گردن سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور پھر اسے منہ میں ڈال کر پورے کا پورا نگل لیا۔ اس کے بعد اس نے قدیم پُر اسرار کنوئیں کے ارد گرد ڈانس کرتے ہوئے تھرک تھرک کر سات چکر کاٹے اور پھنکاریں مارتی، ہاتھوں کو لہراتی، جسم کو تھرکاتی کنوئیں میں کود گئی۔ اس کے ساتھ ہی نیلے رنگ کی روشنی بھی کنوئیں کے اندر غائب ہو گئی اور وہاں گہری ڈراؤنی قبرستان ایسی خاموشی چھا گئی۔

اب امجد کو ہوش آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک بند جگہ پر قید ہے۔ اور اس کے ارد گرد گوشت کی دیواریں ہیں جن میں سے نیلی روشنی نکل رہی ہے۔ اس کا دم گھٹنے لگتا اگر وہ سانپ نہ ہوتا۔ سانپ تھوڑی سی آکسیجن کے ساتھ کئی کئی دن گزار سکتا ہے، لیکن اسے زیادہ دیر گوشت کی چاردیواری میں نہ رہنا پڑا۔ سیاہ فام رقاصہ نے کنوئیں کے اندر اپنے غار کے تہہ خانے والے چھوٹے سے مندر میں جا کر سانپ کو اپنے پیٹ سے باہر نکال لیا اور ایک چھوٹی سی مورتی کے گلے میں ڈال کر اس پر ایک ایسا منتر پھونکا کہ وہ مورتی کے گلے میں پڑے پڑے پتھر بن گیا۔

یہ اس منحوس رات کا دوسرا دن تھا جب عنبر موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں پیسیرے کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے ارد گرد کا سارا علاقہ چھان مارا مگر اسے کوئی پیسیرا وہاں نہ ملا۔ سندر پیسیرا اسی رات وہاں سے بس میں بیٹھ کر واپس سکھر روانہ ہو گیا تھا۔

عنبر تھک ہار کر شام کو واپس اپنے چھوٹے سے ہوٹل میں آ گیا۔ یہ ہوٹل سیاحوں کے لیے خاص طور پر بنایا گیا تھا۔ یہاں عنبر نے ایک چھوٹا کمرہ کرائے پر لے لیا تھا۔ رات کو ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو بہت سے سیاح جن میں غیر ملکی سیاح بھی شامل تھے ہوٹل کے سامنے والے باغ میں آ کر بیٹھ گئے اور چائے وغیرہ پینے لگے۔ عنبر بھی ایک خالی میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا اور امجد کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بہت پریشان تھا کہ یہ لاہور کا معصوم لڑکا خواہ مخواہ مصیبت میں پھنس گیا۔ عنبر اپنے خیالوں میں گم بیٹھا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کا غیر ملکی گورا سیاح جس کے سفید بال ہیٹ سے باہر نکلے ہوئے تھے عنبر کے پاس آ کر بولا:

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں اور کوئی کرسی خالی نہیں ہے موسیو!"

عنبر سمجھ گیا کہ اس سیاح کا تعلق فرانس سے ہے۔ اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے انگریزی میں عنبر سے بات کی تھی۔ عنبر چونکہ دنیا کے ہر ملک، ہر قبیلے کی زبان جانتا تھا اس لیے اس نے فرانسیسی میں پوچھا:

"کیا آپ فرانس کے ہیں؟"

ادھیڑ عمر سیاح خوش ہو کر بولا:

"موسیو! تم فرانسیسی جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں میں فرانس میں کچھ سال رہ چکا ہوں۔ آئیے بیٹھیے۔"

فرانسیسی سیاح عنبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی کمر سے پستول لٹک رہا تھا اور کندھے کے ساتھ کیمرہ لٹک رہا تھا۔ اس نے چائے منگوالی اور عنبر کو ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد بتایا:

"میں کئی بار موہنجو داڑو کی سیاحت کر چکا ہوں یہ دنیا کی سب سے قدیم تہذیب کے کھنڈر ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"میں بھی یہاں سیاحت کرنے آیا ہوں اور میرا تعلق ملک مصر سے ہے۔"

فرانسیسی سیاح نے کہا:

"تم حیران ہو گے کہ میں نے اپنا کیمرہ اور پستول کیوں

ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اصل میں اس علاقے میں رات کو ڈاکے بڑے پڑتے ہیں۔"

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد فرنچ سیاح نے عنبر کو رازداری سے کہا:

"موسیو! میں ایک انتہائی اہم مہم پر یہاں آیا ہوں۔ اور مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ کیا تم میرے ساتھی بنو گے؟"

عنبر نے کہا:

"میں آپ کا ساتھی ہی ہوں مگر آخر آپ ایسی کون سی اہم مہم پر آئے ہیں؟"

فرنچ سیاح کہنے لگا:

"میرے ساتھ آؤ۔ یہاں کوئی ہماری باتیں سن لے گا۔ ذرا دُور ٹہل کر باتیں کرتے ہیں۔"

عنبر کو بھی سوائے امجد کے بارے میں سوچنے کے اور کوئی کام نہیں تھا اس لیے اٹھ کر سیاح کے ساتھ ہو لیا اور وہ دونوں ہوٹل سے چند قدموں کے فاصلے پر ریت پر ٹہلنے لگے۔

فرنچ سیاح نے کہا:

"میں تمہیں اس لیے اپنا راز بتانا چاہتا ہوں کہ تم اس ملک کے آدمی نہیں ہو۔ تمہارا تعلق مصر سے ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور مصر کے لوگ اس قسم کی پُراسرار مہموں میں بڑے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا اپنا ملک ہزاروں سال پُرانا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں موسیو؟"

فرنچ سیاح بولا:

"میں نے موہنجو داڑو کی قدیم تہذیب پر بے شمار کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔ چند روز ہوئے میں نے ایک کتاب میں یہاں کے قدیم باشندوں کے بارے میں ایک عجیب بات پڑھی۔ کتاب میں لکھا تھا کہ آج سے سات ہزار سال پہلے اس شہر کے پجاری پرانے کنوؤں کے اندر نیچے جا کر غار بناتے تھے جہاں مندروں کا سونا زمین کے اندر دفن کرکے اس پر ایک مورتی بنا دیتے تھے۔ یہ خزانے کی مورتی کہلاتی تھی۔ وہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ جب مندر کے بڑے پجاری کے مرنے کا وقت قریب آجاتا تھا تو وہ شہر کی سب سے زیادہ سیاہ فام عورت کو جو خوب صورت بھی ہوتی تھی اغوا کرکے منگوا لیتا تھا اور اس

پر جادو کے منتر پڑھ کر اسے غار میں خزانے کی مورتی کے ساتھ بند کرکے غار کا منہ بھی بند کر دیتا تھا۔ میں اس بار کسی ایسے ہی خزانے کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم خزانہ آدھا آدھا کر لیں گے۔ یہاں سے خزانے کو فرانس تک پہنچانے کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔ میرے آدمی کشتیوں کے ذریعے اس خزانے کو بحرین اور پھر وہاں سے فرانس پہنچا دیں گے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یہ مہم بہت مشکل ہے۔ مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ کیا تم میرا ساتھ دو گے موسیو:"

عنبر کو خود امجد کی تلاش تھی اور اس کا دل اسے کہہ رہا تھا کہ امجد سانپ کی شکل میں انہی کھنڈروں میں کسی جگہ قید ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید اس مہم کے دوران کہیں امجد بھی مل جائے۔ چنانچہ عنبر نے حامی بھر لی۔ ادھیڑ عمر سیاح بہت خوش ہوا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"موسیو! میرے پاس ایک خنجر بھی ہے۔ چاہے تم پستول رکھ لینا میں خنجر رکھ لوں گا۔"

عنبر نے کہا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں موسیو۔"

سیاح بولا:

"نہیں نہیں موسیو! یہاں کے لوگ بڑے خون خوار ہوتے ہیں۔ وہ دن دہاڑے آدمی کو قتل کر کے لوٹ لیتے ہیں۔"

عنبر بولا:

"اچھا پھر آپ مجھے خنجر دے دیں۔"

"او کے موسیو! ہم کل رات کو خاموشی سے اپنی مہم پر روانہ ہو جائیں گے۔ خبردار یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے موسیو۔"

"فکر نہ کرو۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا اور اجازت لے کر اپنے کمرے میں آگیا۔ ساری رات اس نے بے چینی سے گزاری۔ اسے بار بار امجد اور اس کے پریشان ماں باپ کا خیال ستاتا رہا۔

دوسرے دن اس نے ایک بار پھر موہنجو داڑو کے کھنڈروں میں امجد کی تلاش شروع کر دی۔ کھنڈروں میں پھرتے پھرتے عنبر کو شام ہو گئی۔ مگر امجد کا کوئی سراغ نہ ملا۔

عنبر واپس ہوٹل آگیا۔ فرشخ سیاح اس کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ عنبر کو اپنے کمرے میں لے گیا اور اس

نے عنبر کو موہنجو داڑو کے کنوؤں کا نقشہ دکھایا۔ ایک کنوئیں پر لال پنسل سے نشان لگا کر کہنے لگا:

"یہ کنواں اس کھنڈر کا سب سے پرانا کنواں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں اسی کنوئیں میں خزانہ ملے گا۔"

عنبر بے دلی سے نقشے کو دیکھ رہا تھا۔ بھلا اسے خزانے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اسے تو امجد کے سوا اور کسی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر دل میں یہ خیال کر کے اس لالچی ادھیڑ عمر سیاح کے ساتھ ہو لیا کہ وہ اکیلے ہوٹل میں پڑے پڑے کیا کرے گا۔ اسی سیاح کے ساتھ چلا چلے۔ شاید امجد کا کوئی سراغ مل جائے۔

عنبر اور فرشخ سیاح رات کے دس بجے کھانا کھانے کے بعد ہوٹل سے نکل کر کھنڈروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیاح نے پستول میں گولیاں بھر لی تھیں۔ خنجر عنبر کو دے دیا تھا۔ جیب میں ٹارچ اور نقشہ رکھ لیا تھا۔ کنوئیں میں اترنے کے لیے نائیلون کی بنی ہوئی بڑی مضبوط سیڑھی بھی تھیلے میں رکھی ہوئی تھی۔ لالچی سیاح پورا پورا انتظام کر کے گھر سے نکلا تھا۔ وہ دونوں موہنجو داڑو کے کھنڈروں کو جانے والی کچی سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اجاڑ بیابان علاقہ تھا یہاں کہیں کوئی روشنی کا کھمبا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی نہیں تھا۔ آس پاس اونچے نیچے ریت کے ٹیلے تھے جن میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

وہ ایک ٹیلے پر سے نیچے اترے تو سامنے ایک میدان میں موہنجو داڑو کے سات ہزار سال پرانے کھنڈر پھیلے ہوئے تھے اور ستاروں کی مدھم روشنی میں ان کے پھیکے پھیکے خاکے بڑے پُراسرار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں موہنجو داڑو کی ہزاروں سالہ قدیم گلیوں کے کھنڈروں میں داخل ہو گئے۔ چوڑی دیواریں بہت اونچی چلی گئی تھیں۔ اینٹوں کے فرش کئی جگہوں سے اکھڑے ہوئے تھے۔ یہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی قبرستان میں آ گئے ہیں۔ ایسا قبرستان جو ویران ہو چکا ہو۔ اور جہاں چڑیلیں بھی آتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ فرشخ سیاح ایک جگہ دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا اور جیب سے لپٹا ہوا نقشہ نکال کر بولا:

"موسیو! مجھے ایک نظر نقشے پر ڈال لینے دو۔ وہ قدیم کنواں یہیں کہیں ہونا چاہیے۔"

فرشخ سیاح نے چھوٹی ٹارچ کی روشنی نقشے پر ڈالی اور سرخ پنسل کا نشان تلاش کر کے اس پر انگلی رکھ کر بولا:

"یہاں سے دس ڈگری مغرب کی طرف موسیو!"

اور اس نے نقشہ لپیٹ کر جیب میں رکھا۔ ٹارچ بھی

کر تھیلے میں ڈالی اور عنبر کو لے کر جونہی بائیں جانب گھوما پیچھے سے کسی نے اس کی گردن میں رسی ڈال کر پیچھے کھینچ لیا۔ عنبر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کیوں کہ فرشخ سیاح کے گلے سے غراہٹ کی آواز نکلی تھی۔ اتنے میں دوسرے آدمی نے بندوق کی نالی عنبر کی گردن پر رکھ دی اور کہا:

"سائیں! جو کچھ ہے نکال کر رکھ دو۔"

اگر فرشخ سیاح کی گردن پھندے میں نہ پھنسی ہوتی تو وہ اسی وقت اپنے والے ڈاکو کا کچومر نکال کے رکھ دیتا۔ مگر اسے یہی ڈر تھا کہ دوسرا ڈاکو ادھیڑ عمر سیاح کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ عنبر نے کہا:

"میرے پاس کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے میرے ساتھی کے پاس ہے۔"

عنبر کا خیال تھا کہ اس طرح سے یہ ڈاکو ادھیڑ عمر سیاح کی گردن سے رسی کا پھندا نکال کر اس کی تلاشی لیں گے یا اس سے پوچھ گچھ کریں گے کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے۔ یہ دونوں ڈاکو تھے اور انہیں لوٹنے آئے تھے۔ بندوق والے ڈاکو نے نالی عنبر کی گردن سے ہی لگائے رکھی اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اس بوڑھے کی تلاشی لو۔

دوسرے ڈاکو نے رسی کا پھندا سیاح کی گردن سے نکال لیا اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس کے تھیلے کو ٹٹولنے لگا۔ عنبر اسی موقع کے انتظار میں تھا اس نے بڑے آرام سے ہاتھ اوپر اٹھا کر بندوق کی نالی تھام لی اور کہا:

"بندوق نیچے رکھ دو اور جو کچھ تم نے دوسرے سیاحوں کا مال لوٹا ہوا ہے وہ بھی نیچے رکھ دو۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے جھٹکا دے کر ڈاکو پرے گرا دیا اور دوسرے ڈاکو کو ایسی لات ماری کہ اس کی ایک طرف کی ساری پسلیاں ٹوٹ گئیں اور زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگا۔ دوسرا ڈاکو بھاگنے لگا تو عنبر نے اسے گردن سے دبوچ کر کہا:

"اس اپنے زخمی ساتھی کو بھی ساتھ لیتے جاؤ جا کر اس کا علاج کرو اور پھر ڈاکے چھوڑ کر محنت مزدوری سے رزقِ حلال کما کر کھاؤ اسی خیال سے میں تم دونوں کی جان بخشی کر رہا ہوں۔ ورنہ تمہاری لاش یہاں تڑپ رہی ہوتی۔"

ڈاکو عنبر کی طاقت سے ڈر گیا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے ساتھی کو کاندھے پر ڈالا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ فرنچ سیاح گردن کو ملتے ہوئے بولا:

"موسیو! تم نے کمال کر دیا۔ میں تمہاری پھرتی کی داد دیتا ہوں۔ چلو اچھا ہوا تم کو بھی ایک بندوق مل گئی۔ مگر

ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بڑے خطرناک لوگ ہوتے ہیں چھپ کر حملہ نہ کر دیں۔"

عنبر نے کہا:

"اس بار حملہ کیا تو زندہ بچ کر نہیں جائیں گے۔"

فرنچ سیاح مسکرانے لگا۔ وہ بار بار اپنی گردن کو مل رہا تھا۔

"کم بختو نے میرا گلا ہی گھونٹ ڈالا تھا۔ آؤ اب اس کنوئیں کی طرف چلتے ہیں جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

گلیوں کے کھنڈر سے باہر نکلے تو ایک چھوٹی دیوار کی چاردیواری کے اندر کونے میں ایک کنواں دکھائی دیا۔

○

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کنوئیں میں پھنکاروں کی آواز

فرشخ سیاح نے ٹارچ روشن کی اور کنوئیں کی منڈیر پر اس کی روشنی ڈالی:

وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا اور عنبر کو بھی اس نے پیچھے کھینچ لیا۔ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا:

"رُک جاؤ مویو! یہاں ریت پر سانپ کے چلنے کا نشان ہے۔"

سانپ کا لفظ سن کر عنبر چونک اٹھا۔ اس نے کہا:

"کہاں ہے سانپ کا نشان؟ ٹارچ مجھے دو مویو۔"

فرشخ سیاح نے عنبر کو یہ کہہ کر آگے جانے سے منع کرنے لگا کہ یہاں کے سانپ بڑے زہریلے ہوتے ہیں مگر عنبر نے اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور اس کی روشنی ریت پر ڈال کر دیکھنے لگا۔ سانپ کے نشان جگہ جگہ گول دائروں میں بنے ہوئے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ سانپ یہاں سے صرف گذرا نہیں بلکہ رقص کرتا رہا ہے اور جھومتا

رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عنبر کو وہاں کسی انسان کے پاؤں کے نشان بھی دکھائی دیئے۔ اس نے فرشخ سیاح سے کہا:

"یہاں انسان کے پاؤں کے نشان بھی ہیں مویو۔"

سیاح بولا:

"کوئی آدمی یا سپیرا سانپ پکڑنے آیا ہوگا یہ اسی کے پیروں کے نشان ہوں گے۔"

سپیرے کے لفظ پر عنبر ایک بار پھر چونک اٹھا۔ اجد کی سراغرسانی کی کڑیاں مل رہی تھیں۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کی مدد سے آگے پیچھے گھوم کر دیکھا اسے دو اور انسانی پاؤں کے نشان دکھائی دیئے۔

اس نے کہا:

"مویو! یہاں ایک اور انسان کے پاؤں کے نشان بھی ہیں۔ یہ دیکھو۔ ایک انسان پیچھے کو بھاگ رہا ہے۔ اس کے پاؤں کے نشان بتا رہے ہیں کہ وہ تیزی سے بھاگا ہے اور یہ دیکھو۔ یہ دو پاؤں کے نشان کنوئیں کی طرف جا رہے ہیں۔ بھاگنے والے انسان کے پاؤں میں جوتا تھا اور کنوئیں کی طرف جانے والے انسان کے پاؤں ننگے ہیں۔"

فرشخ سیاح نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"ایسا لگتا ہے کہ یہاں ہم سے پہلے بھی کچھ لوگ خزانے کی تلاش میں آئے تھے۔ یہ اچھی خبر نہیں ہے۔ ایک بات طے ہے کہ خزانہ اسی کنوئیں میں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کہیں وہ لوگ جو ہم سے پہلے آئے تھے خزانہ لے کر چمپت تو نہیں ہو گئے۔ ہمیں سانپ سے ہوشیار رہنا ہو گا۔"

عنبر نے کہا:

"مگر یہاں سانپ کہاں سے آ گیا موسیو؟"

سیاح بولا:

"دوست! کیا تم نہیں جانتے کہ خزانوں پر اکثر سانپ ہوا کرتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ اسی سانپ کے نشان ہوں۔ آؤ کنوئیں میں جھانک کر دیکھتے ہیں۔"

کنوئیں کے پاس جا کر فرشخ سیاح نے ٹارچ کی روشنی کنوئیں کے اندر ڈالی۔ کنوئیں میں نیچے گہرائی تک اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ یہ اندھیرا اس قدر گہرا تھا کہ ٹارچ کی روشنی میں بھی انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ سیاح نے ایک بار پھر نقشہ کھول کر دیکھا۔ اس کے لال پنسل کے نشان کو غور سے دیکھا اور

ے لپیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے بولا:

"موسیو! یہی وہ کنواں ہے جس میں ہزاروں سال پرانا خزانہ ہے۔ ہمیں کنوئیں میں اتر کر نیچے جانا ہوگا۔"

اس نے تھیلے میں سے نائیلون کی سیڑھی نکال کر کنوئیں ی گول دیوار کی ابھری ہوئی پرانی سیاہ اینٹوں کے سوا کچھ نظر ہیں آ رہا تھا۔ کافی گہرائی میں پہنچ کر وہ کنوئیں کی تہہ کے پتھروں پر اُتر گئے۔ فرشخ سیاح نے دیوار پر روشنی ڈالی تو ے ایک جگہ گہرا شگاف نظر آیا۔

وہ خوش ہو کر بولا:

"موسیو خزانے کا دروازہ مل گیا۔ یہ دیکھو!"

عنبر نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا کہ شگاف کے اندر ایک تنگ راستہ چلا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ عنبر اسے منع کرتا فرشخ سیاح خزانے کے لالچ میں شگاف کے اندر گھس گیا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ جھک کر غار میں چل رہے تھے۔ آگے جا کر ایک دالان سا آ گیا۔ جہاں ایک چبوترے پر مورتی بنی ہوئی تھی جس کے گلے میں پتھر کا سانپ تھا۔ یہی سانپ اجگر تھا۔

لالچی سیاح نے تھیلے سے لوہے کا اوزار نکالا اور کہا:

"موسیو! اس مورتی کے نیچے خزانہ دفن ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور چبوترے کی اینٹیں اکھیڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوہے کے اوزار سے وہ اینٹوں پر زور زور سے ضرب لگا رہا تھا کہ غار میں ایک جانب سے پھنکاروں کی آوازیں آنے لگیں۔

"سانپ! موسیو سانپ!"

سیاح نے اوزار وہیں رکھ دیا اور جیب سے بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔ عنبر اس کے قریب ہی خاموش کھڑا تھا۔ غار میں آہستہ آہستہ نیلی روشنی کا غبار سا پھیلنے لگا۔ پھنکار کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ سیاح کچھ گھبرا گیا اور بولا:

"یہ کوئی بہت بڑا سانپ لگتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"موسیو! ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں خزانے کے پاس آ کر خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتا۔"

اب وہ سیاہ فام عورت اپنی سرخ انگارہ ایسی آنکھیں لیے نتھنوں سے پھنکارتی اور نیلی روشنی کا غبار خارج کرتی اچانک ان کے سامنے آ گئی۔ فرنچ سیاح نے گھبراہٹ میں اوپر تلے ریوالور کے تین چار فائر کر دیئے۔ دھماکوں سے غار کی چھت کی مٹی گرنے لگی۔ گولیاں سیاہ فام عورت کے منہ اور سینے

میں جا کر لگیں۔ اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ اس نے اپنے لمبے لمبے ناخنوں والے ہاتھ کو جھٹک کر پتھر کی مورتی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی گردن سے لپٹے ہوئے سانپ میں جو اصل میں امجد تھا مگر جس پر جادو کا اثر تھا، جان پڑ گئی اور وہ پھنکارتا ہوا اچھلا اور فرنچ سیاح کی گردن سے لپٹتے ہی اسے ڈس دیا۔ سیاح ریت کی دیوار کی طرح نیچے گر پڑا۔ سانپ اب عنبر کی طرف آیا۔ سیاہ فام مورتی کے جسم سے نیلے رنگ کا خون بہہ رہا تھا۔ سانپ نے عنبر کو دیکھا تو وہیں ٹھٹھک گیا۔ سانپ امجد تھا اور اس نے انکل عنبر کو پہچان لیا تھا۔ مگر جادو کے زور سے امجد کی زبان بند کر دی گئی تھی۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

آگے کیا ہوا جاننے کے لیے

عنبر ناگ ماریا کی قسط نمبر ۲ پڑھیے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مصنف: اے۔ حمید

عنبر ناگ ماریا

کے ۵ ہزار سالہ سفر کی
پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

۱۔ لاش سے ملاقات ۵/-
۲۔ جہاز ڈوب گیا ۵/-
۳۔ مندر کی چڑیل ۵/-
۴۔ پُراسرار غار کی مُورتی ۵/-
۵۔ ناگ لندن میں ۵/-
۶۔ تابُوت میں سانپ ۵/-
۷۔ موت کا دریا ۵/-
۸۔ سانپ کا انتقام ۵/-
۹۔ سانپ کی آواز ۵/-
۱۰۔ ناگ کا قتل ۵/-
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ ۵/-
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ ۵/-
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت ۵/-
۱۴۔ ڈائنا سورس کا جزیرہ ۵/-
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ ۵/-
۱۶۔ انسانی بلی ۵/-
۱۷۔ سانپوں کا جنگل ۵/-
۱۸۔ ماریا اور بن مانس ۵/-
۱۹۔ قبر نما انسان ۵/-
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام ۵/-
۲۱۔ ناگ اور جادُوئی ترشول ۵/-
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ ۵/-
۲۳۔ لاش کی چیخ ۵/-
۲۴۔ [illegible] کی رات ۵/-
۲۵۔ [illegible]یوں کا راز (سلور جوبلی نمبر) ۱۵/-
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں ۵/-
۲۷۔ ماریا اور جادُوگر سانپ ۵/-
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش ۵/-
۲۹۔ بابل کی بدرُوحیں ۵/-
۳۰۔ قبر کی دُلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان ۵/-
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ ۶/-
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت ۶/-
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی ۶/-
۳۵۔ سانپوں کا دربار ۶/-
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ ۶/-
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری ۶/-
۳۸۔ کٹا ہُوا زندہ ہاتھ ۶/-
۳۹۔ عنبر لاہور میں ۶/-
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) ۱۳/-
۴۱۔ مُردہ ہونٹ اور ماریا ۱۰/-
۴۲۔ رات کا کالا کفن ۶/-
۴۳۔ کھنڈرات کی بدرُوحیں ۶/-
۴۴۔ ممباطوش اور ناگ ۶/-
۴۵۔ ماریا سونے کی مُورتی ۶/-
۴۶۔ ناگ غائب ہو گیا ۷/۵۰
۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خُونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (گولڈن جوبلی نمبر) ۱۵
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہو گئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور سُپرمین ۷/۵۰
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا جاسوس ۷/۵۰
۵۵۔ ناگ اور ناگن زنگامتی ۷/-
۵۶۔ چار پُراسرار سپیرے ۷/-
۵۷۔ امبا دیوی کی مُورتی ۶/-
۵۸۔ خفیہ منتر کی تلاش ۷/-
۵۹۔ موت کا وعدہ ۷/۵۰
۶۰۔ اور قبر کُھل گئی ۷/۵۰
۶۱۔ لاش کا دوسرا جنم ۶/-
۶۲۔ ماریا قتل ہو گئی ۷/-
۶۳۔ خالی تابُوت یاقوتی سانپ ۶/-
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش ۷/۵۰
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ ۷/۵۰
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا ۶/-
۶۷۔ عنبر اور ڈسکو مُردے ۷/۵۰
۶۸۔ کیٹی پھانسی کے تختے پر ۷/۵۰
۶۹۔ عنبر انگوٹھی میں اُتر گیا ۶/-
۷۰۔ دیوی روشنک کے اژدہا
۷۱۔ عنبر کا سر کٹ گیا
۷۲۔ چنگیز خان لاہور میں
۷۳۔ دیوتا قتلام پر قربان کر دو
۷۴۔ ماریا سانپ بن گئی
۷۵۔ روح اور سانپوں والے بہن بھائی (خاص نمبر)
۷۶۔ ماریا انار کلی میں
۷۷۔ قبر، مرتبان اور ہڈیاں
۷۸۔ سیاہ کفن پوش بلا
۷۹۔ پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ
۸۰۔ طلسمی تختی اور سانپوں کا غار
۸۱۔ قفل والا پراسرار چہرہ
۸۲۔ ڈاکو سپاٹا اور عابدہ کا پُتلا
۸۳۔ روتی آنکھوں والا چراغ
۸۴۔ کھوپڑی پر جلتی موم بتی

نیا مکتبہ اِقراء: ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۸